أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ (۲۹/۵۱)

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

بیاد

مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

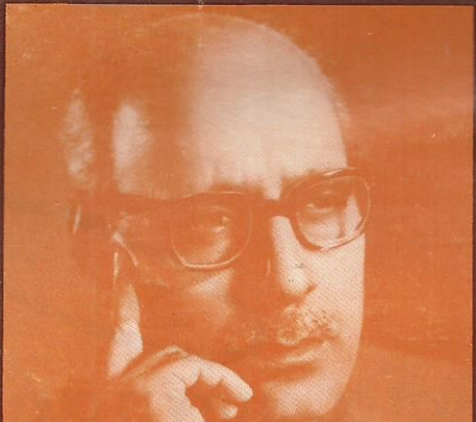

خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نورِ بصیرت عام کر دے

شائع کردہ: ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی۔ گلبرگ ۲۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

لمعات

فرقہ واریت عروج پر

(ایک قبیح غیر قانونی حرکت)

ہمارے علم میں، بذریعہ ایک خبر جو روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 7 مارچ 2004ء میں شائع ہوئی، ایسا واقعہ لایا گیا ہے جو ایک بھیانک اور گھناؤنا ہے جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ خبر حسب ذیل ہے۔

''مقامی علما کی طرف سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ کالا باغ میں ایک خاص فرقہ کے ایک شخص کا جنازہ پڑھنے والوں کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں چنانچہ جنازہ میں شرکت کرنے والے افراد نے دھڑا دھڑ مسجدوں میں جا کر تجدید نکاح کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ایک حادثہ میں گذشتہ روز کالاباغ میں خاص فرقہ کے ایک شخص شہزاد خان کا انتقال ہو گیا۔ علاقہ کے علماء دین نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا جس پر اس کے بھائی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ اس کا بھائی کس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ میانوالی کے مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے علماء دین مفتی محمد اقبال داؤد خیل کے صاحبزادے عبدالمالک اور عصمت اللہ شاہ سکندر آباد سے رابطہ کر کے ان سے فتویٰ حاصل کیا جنہوں نے فتویٰ دیا کہ اس خاص فرقہ سے تعلق رکھنے والے دین اسلام کے دائرہ سے خارج اور مرتد ہیں چنانچہ جس شخص نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور جن لوگوں نے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی انہیں دوبارہ نکاح کرانے چاہئیں سینکڑوں افراد کالاباغ کی تین مسجدوں کے علماء دین مسجد عیدگاہ کے مفتی احمد خان مسجد حافظ شیر محمد کے امام حافظ غلام صدیق اور مسجد لوہاراں والی کے خطیب مولانا محمد خان کے پاس جا کر اپنا نکاح تجدید کرا رہے ہیں۔ ادھر یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پولیس تھانہ کالاباغ نے علاقہ میں امن و عامہ قائم رکھنے کے لئے متعدد افراد کو حراست میں لے لیا اور

انہوں نے تائب ہو کر دوبارہ کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اعلان کیا جس پر پولیس نے انہیں رہا کر دیا ہے۔''

(روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 7 مارچ 2004ء)

روزنامہ خبریں لاہور میں یہی خبر اس طرح شائع ہوئی ہے۔

'' کالاباغ میں پرویزی فرقہ کے ایک شخص کا جنازہ پڑھنے کی وجہ سے سینکڑوں افراد کے نکاح ٹوٹ گئے۔ متعدد علمائے دین کے فتویٰ کے بعد جنازہ میں شرکت کرنے والے افراد نے دھڑا دھڑ مسجدوں میں جا کر تجدید نکاح کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق گزشتہ روز کالاباغ میں پرویزی فرقہ کے ایک شخص شہزاد خان کا انتقال ہو گیا۔ علاقہ کے علماء نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا جس پر اس کے بھائی نے اس کا نماز جنازہ پڑھایا جسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ اس کا بھائی پرویزی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ میانوالی کے مختلف مسلک سے تعلق رکھنے والے علمائے دین مفتی محمد اقبال داؤدخیل، صاحبزادہ عبدالمالک اور عصمت اللہ شاہ اسکندر آباد سے رابطہ کر کے ان سے فتویٰ حاصل کیا جنہوں نے فتویٰ دیا کہ پرویزی فرقہ سے تعلق رکھنے والے افراد مرتد اور دین اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں چنانچہ جس شخص نے اس کی نماز جنازہ پڑھایا اور جن لوگوں نے اس کے نماز جنازہ میں شرکت کی ان کے دوبارہ نکاح کرائے جائیں چنانچہ نماز جنازہ میں شرکت کرنے والے سینکڑوں افراد کالاباغ کی تین مسجدوں کے علمائے دین مسجد عیدگاہ کے مفتی احمد خان، مسجد حافظ شیر محمد کے امام حافظ غلام صدیق اور مسجد لوہاراں والی کے خطیب مولانا محمد خان کے پاس جا کر دھڑا دھڑ اپنا نکاح تجدید کر رہے ہیں۔ ادھر یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پولیس تھانہ کالاباغ نے علاقہ میں امن وعامہ قائم رکھنے کے لئے متعدد افراد کو زیر حراست لیا تھا جنہوں نے پرویز فرقہ سے توبہ تائب ہو کر دوبارہ کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اعلان کیا جس پر پولیس نے انہیں رہا کر دیا ہے۔''

(روزنامہ خبریں لاہور، 7 مارچ 2004ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بدقسمتی سے پاکستان میں مولوی صاحبان کا ایک طبقہ ہے جس نے اپنی زندگی کا مشن ہی بنا رکھا ہے کہ طلوع اسلام کے خلاف بے بنیاد الزامات تراشے جائیں اور پھر انہیں شدّ ومد سے پھیلایا جائے کہ لوگ جھوٹ کو سچ سمجھ کر طلوع اسلام کی بات سننا گوارہ نہ کریں۔ پروپیگنڈہ وہ فن ہے جس کی بنیاد اس دعوے پر ہے کہ جھوٹ کو سو مرتبہ دھرایئے وہ سچ بن کر دکھائی دے گا۔ انہوں نے یہ بھی الزام تراشا ہے کہ طلوع اسلام، پرویزی فرقے کا رسالہ ہے۔ طلوع اسلام، اس الزام کی بار بار وضاحت کرتا رہا ہے کہ پرویزی فرقہ کا کوئی وجود نہیں۔ طلوع اسلام ایک فکری تحریک ہے، فرقہ نہیں۔ پھر بھی وہ رٹ لگائے جا رہے ہیں طلوع اسلام، پرویزی فرقہ ہے اور ایسا صریح

جھوٹ بولنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے بھی نہیں ڈرتے۔ ہمارے ریکارڈ کے مطابق مرحوم نہ طلوع اسلام کے قاری تھے اور نہ ہی کسی بزم سے ان کا کوئی تعلق تھا۔

ملا یا مولوی کسی شخصیت کا نام نہیں۔ یہ ایک ذہنیت ہے جسے ماہر علم النفس نفسیاتی مرض سے تعبیر کرتے ہیں اور جس میں یہ حضرات بالعموم مبتلا ہوئے ہیں۔ اس مرض کے وجوہ و اسباب اور نتائج و اثرات کو سمجھنے کے لئے ان لوگوں کی عمومی زندگی کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

آپ کسی مذہبی مکتب میں چلے جایئے۔ آپ وہاں طالب علموں کو دیکھیں گے تو نظر آئے گا کہ ان کے بھنچے ہوئے چہرے آنکھیں زرد اندر دھنسی ہوئی بے نور' اور عام جسمانی حالت نہایت سقیم ہوگی۔ پہلی نگاہ میں یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ یہ افلاس زدہ ماحول کے پروردہ' اور ایسے گھرانوں سے برآوردہ ہیں جن میں بڑی عسرت اور گھٹن تھی۔ ذہنی طور پر دیکھئے تو اندازہ ہوجائے گا کہ انہیں اس لئے یہاں بھیج دیا گیا ہے کہ یہ کسی کام کے قابل نہ تھے۔ ان مکاتب کا کاروبار بالعموم خیرات پر چلتا ہے۔ اسی سے ان بچوں اور نوجوانوں کی کفالت کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کے نذر نیاز کی دیگیں بھی اکثر مدارس میں آتی ہیں۔ محلہ میں کہیں مرگ ہوجائے اس کے ''قل''، جمعرات یا چالیسویں ختم پر' ان بچوں کو بلا لیا جاتا ہے اور وہاں سامنے رکھے ہوئے کھانوں اور پھل مٹھائی کو یہ جن للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں' اس سے ان کی نفسیاتی کیفیت جھلک کر باہر آجاتی ہے۔ ماہرین علم النفس کی تحقیق یہ ہے کہ اس قسم کے انداز و اسلوب اور ایسے ماحول میں پرورش اور تربیت یافتہ بچے اور نوجوان' احساسِ کمتری (Inferionity Complex) میں مبتلا ہوتے ہیں۔

یہاں سے نکلنے کے بعد' یہ نوجوان بالعموم مساجد کے امام یا خطیب بن جاتے ہیں۔ وہاں بھی ان کے معاش کا دارومدار' بلواسطہ یا بلاواسطہ' خیرات ہی پر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جسے اب محکمۂ اوقاف کہا جاتا ہے وہ بھی خیرات کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ ان کے کام غیر تخلیقی کام ہوتے ہیں۔ امامت وغیرہ کے معاوضہ میں جو کچھ ملتا ہے وہ خیرات ہی ہوتا ہے۔ ایسے کاموں میں خود اعتمادی پیدا نہیں ہو سکتی اور انسان کی شخصیت مرجاتی ہے اور اس میں گھٹن پیدا ہوتی ہے۔ طالب علمی کے زمانے کی وہ للچائی ہوئی نظریں ان میں اب مستقل محرومی بیدار کردیتی ہیں۔ جس سے ان کے سینے میں حسد و انتقام کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اس آگ کو بجھانے کے لئے ایک ذہنیت ابھرتی ہے جسے نفسیات کی اصطلاح میں Sadism کہا جاتا ہے۔ مطلب اس سے یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اذیت پہنچا کر لذت حاصل کرنا۔ اس کی بھی بہت اقسام ہیں۔ لیکن سب سے گھناؤنی شکل وہ ہے جو مذہب کے مقدس نقاب میں نمودار ہوتی ہے۔ آپ ان حضرات کے وعظوں کو سنئے۔ ان کا نوے فیصد سے زیادہ' دوسروں پر طعن و تشنیع' طنز و تنقید کے تیروں اور تحقیر و تضحیک کے نشتروں اور توہین و تذلیل کے سوفاروں پر مشتمل ہوگا۔ وہ جس طرح اچھل اچھل کر دوسروں کو ''مقدس گالیاں'' دے رہے ہوں گے' اس سے صاف نظر آجائے گا کہ وہ انہیں ذلیل کرکے کس طرح خوشی محسوس کرتے ہیں اور اسی اذیت رسانی سے کس درجہ لذت حاصل کررہے ہیں۔ اس

کو جیسے اوپر بتایا جاچکا ہے Sadism کہا جاتا ہے وہ احساس کمتری ومحرومی کا پیدا کردہ مرض ہوتا ہے۔

علم النفس کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ذہنیت کا بنیادی طور پر بزدل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی تیراندازی کے لئے ایسے کمین گاہوں کو منتخب کرتا ہے جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے مسجد بہترین حفاظت گاہ ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے جو مسجد ضرار کو کمین گاہ سے تعبیر کیا ہے ((9:107 تو اس کی وجہ یہی ہے۔ اپنے حملوں کے لئے ایسے حدف تلاش کرتا ہے جہاں سے اسے حملہ کا خطرہ نہ ہو۔ طلوع اسلام کے خلاف ان کی محاذ آرائی کی وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ یہ ان کے خلاف کبھی پست سطح پر نہیں اترے گا۔ اس لئے یہ اس کے خلاف جو کچھ جی میں آئے کہتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اس قسم کی حرکتوں پر اتر آتے ہیں جس کی مثال زیر نظر المیہ ہے تو اس سے ہمیں بڑا دکھ ہوتا ہے۔

یہ مرض لاعلاج ہوتا ہے اس لئے ہم ان لوگوں سے تو کچھ کہنا نہیں چاہتے لیکن ہم ان حضرات سے جن کے ہاتھ میں ذرائع اور ابلاغ کے ذرائع ہیں ان سے انسانیت کے نام پر ضرور توقع کرتے ہیں کہ جب یہ لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، جنہیں آپ بھی پسند نہیں کرتے ہوں گے، تو آپ انہیں ٹوک کیوں نہیں دیتے۔ آپ ان سے کیوں نہیں کہتے کہ حضرات! آپ ہمیں خدا اور رسولؐ کی باتیں سنایئے اور اس قسم کے طعن وتشنیع سے مجتنب رہئے کہ اس سے قوم میں انتشار بڑھتا اور نفرت پھیلتی ہے۔ اگر آپ دو چار دفعہ بھی ان سے ایسا کہہ دیا تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے بعد انہیں ایسا کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوگی۔ انہیں اس طرح روک دینے سے آپ ان مظلوموں کی دادرسی کرسکیں گے جو ان کی تیراندازی کا نشانہ بنتے ہیں۔

اس کے بعد ہم اس غمزدہ گھرانے سے کہیں گے کہ جس طرح آپ نے اس جواں مرگ کے صدمۂ جانکاہ کو صبر وتحمل سے برداشت کرلیا ہے اس طرح اس کرب واذیت کو بھی بھلا دیجئے جو ان کی طرف سے آپ کو پہنچائی گئی ہے۔ باقی رہا مرنے والا (خدا اسے اپنی رحمت میں جگہ عطا فرمائے) تو نہ اس کی نماز جنازہ میں ان لوگوں کی شرکت اسے بخشوا سکتی تھی، اور نہ ہی ان کی عدم شرکت اس کے حسن عمل کو ضائع کرسکتی ہے۔

نکاح کے معاملہ کو قرآن کریم نے فریقین کی رضامندی پر چھوڑا ہوا ہے۔ اس لئے کہ یہ انفرادی مسئلہ تھا۔ لیکن فسخ نکاح کا معاملہ انفرادی نہیں رہتا۔ اس میں فریق مقابل اور اکثر اوقات اولاد کے مفاد پر زد پڑتی ہے۔ نکاح کو قرآن مجید نے میاں بیوی کا باہمی معاہدہ قرار دیا ہے۔ آیت ((2:23 اس لئے عقد کا لفظ آیا ہے۔ اور سورۃ النساء میں میثاق کا لفظ ((4:21 دونوں کے معنی معاہدہ کے ہیں۔ فسخ نکاح عدالت کا کام ہے اور نہ ہی مولوی صاحب کا اور نہ ہی مولوی صاحب اس ضمن میں فتویٰ دینے کا مجاز ہے۔ یہ صریحاً ملکی عائلی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا حکومت کا فریضہ ہے کہ اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کرے اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اور اس سانحہ کی تحقیقات کے لئے عدالتی کمیشن قائم کیا جائے۔ ہم عدالت عالیہ سے بھی استدعا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کے فیصلے کے لئے Suomotu اختیارات استعمال کئے جائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

کشمیر

ہندو کے راج میں کشمیری مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں، ان کی حیثیت اب معمولی خبروں کی ہوگئی ہے۔ وہاں ان سے حیوانوں سے بھی بدتر سلوک ہوتا ہے۔ اور ان میں سے جو موقع پاتا ہے بھاگ کر پاکستان میں پناہ لے لیتا ہے لیکن یہ نئی داستان نہیں۔ جب سے ڈوگرہ راج قائم ہوا، کشمیری مسلمانوں کا یہی حشر چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے 19 مارچ 1857ء کے اخبار Times of India میں ہمیں یہ خبر ملتی ہے۔

اخبار لاہور کرانیکل کا مری کا نامہ نگار نے لکھا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ظلم اور ستم سے تنگ آ کر لوگ کشمیر سے راولپنڈی، جہلم اور سیالکوٹ کی طرف بھاگے آ رہے ہیں اگرچہ مہاراجہ نے سخت حکم دے رکھا ہے کہ کوئی شخص ریاست چھوڑ کر نہ جائے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے لڑکوں اور موتی سنگھ کے درمیان سخت منافقت ہے اور کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی موت پر فسادات نمودار ہو جائیں گے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ بیمار ہے اور حکیموں کے علاج کے لئے پنجاب بھیج دیا گیا ہے۔ اس کی حالت قدرے بہتر ہے لیکن ابھی وہ لکڑی کے سہارے چلتا ہے...... اس کے مظالم کا ایک خوشگوار پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اب سڑکوں پر کام کرانے کے لئے ہمیں قلی بکثرت مل رہے ہیں۔ (بحوالہ طلوع اسلام مئی 1957ء صفحہ 60)۔

قلم کمان محترم حامد میر صاحب ''جنگ۔ کراچی'' یکم دسمبر 2003ء میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں پاکستان کے خلاف سب سے زیادہ فلمیں بنانے والے جیوتی پرکاش دتا کے ساتھ نئی دہلی کے ایک ہوٹل میں گفتگو کے بعد یہ خاکسار کافی شاپ کے ایک کونے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ جس ملک میں پاکستان کے خلاف فلمیں بنانے والوں کو سونے میں تولا جائے اس ملک کی پاکستان کے ساتھ دوستی کیسے ممکن ہوگی؟ کافی کے دو کپ پینے کے بعد میں اٹھنے ہی والا تھا کہ ساڑھی میں ملبوس ایک معمر خاتون میرے ساتھ آ بیٹھیں اور بڑی بے تکلفی سے پوچھا کہ کل رات نئی دہلی ٹیلی ویژن پر برکھادت کے پروگرام میں اجے ساہنی کے ساتھ تم ہی الجھ رہے تھا ناں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو خاتون نے کہا کہ پہلی

دفعہ ہم نے کسی انڈین ٹی وی چینل پر یہ سنا کہ کشمیریوں نے بندوق اس لئے اٹھائی کہ 1987ء کے الیکشن میں ان کے ووٹ چرا لیے گئے تھے۔ خاتون نے فوراً ہی سوال کیا کہ کیا ہندوستان کے خلاف بندوق اٹھانے والے کشمیریوں کو تم بھی دہشت گرد سمجھتے ہو؟ تمہارے ملک میں بھی تو ہندوستان سے نفرت کرنے والوں کے خلاف کریک ڈاؤن ہو رہے ہیں ناں؟ میں نے جواب دینے کی بجائے خاتون سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ سوال سن کر وہ چند لمحے خاموش رہیں' انہوں نے آس پاس دیکھا اور تسلی کی کہ کوئی دوسرا انہیں نہیں سن رہا اور پھر بولیں کہ میرے سفید بالوں سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں ستر سال سے اوپر کی ہوں' چھپن سال پہلے زرینہ تھی اور آج پوجا ہوں' مسز پوجا چوہان میرا پورا نام ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اگلا سوال کرتا' انہوں نے بتایا کہ 1947ء میں وہ جموں میں رہتی تھیں اور ان کا تعلق ایک مسلم گھرانے سے تھا' ایک دن ابا جی گھبرائے ہوئے گھر آئے اور ماں سے کہا کہ کل ہم سب کو لاری پر بیٹھ کر پاکستان جانا ہے' اس لئے سامان باندھ لو۔ ساری رات ہم نے سامان باندھا اور اگلی صبح جموں کے ایک بڑے میدان میں اکٹھے ہو گئے' تھوڑی دیر بعد ہمیں لاریوں پر سوار کرایا گیا لیکن جیسے ہی یہ لاریاں شہر سے باہر نکلیں تو حملہ ہو گیا' مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میرے ابا جی کو ایک سکھ نے برچھی ماری' ماموں نے انہیں بچانا چاہا تو ماموں کے سر پر کلہاڑا مارا گیا' ماموں پر میری ماں گر گئی تو اس کے سینے میں بھی برچھی اتر گئی' میں نے اپنے تین سال کے بھائی کو گود میں اٹھا رکھا تھا' میں اسے اٹھا کر بھاگی تو تھوڑی دور جا کر گر گئی پھر مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں ایک کیمپ میں پڑی تھی اور میرا سر پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ ایک ڈوگرا فوجی مجھے اودھم پور لایا اور ایک ہندو تاجر کے پاس مجھے چار سو روپے میں فروخت کیا۔ کچھ عرصہ میں نے اس کے گھر میں کام کیا' پھر ایک دن اس کی بیوی مجھے دہلی لے آئی اور کہا کہ تمہارا بیاہ میرے بھائی سے ہونے والا ہے۔ اس کے بھائی کے دو بچے تھے اور اس کی بھابھی بیمار ہو کر مر چکی تھی۔ پندرہ سال کی عمر میں مجھے دو بچوں کے باپ کے سپرد کر دیا گیا اور جس دن پنڈت نے ہمارے پھیرے لگوائے اس صبح مجھے کہا گیا کہ آج سے تم زرینہ نہیں بلکہ پوجا ہو' پھر میں نے پوجا بن کر اپنے شوہر اور اس کے دو بچوں کی خدمت کی اور مجھ سے تین بچوں نے جنم لیا' تینوں ہندو ہیں۔ خاتون نے بتایا کہ بیس برس پہلے ان کے شوہر فوت ہو گئے تھے' بچوں کی شادیاں ہو چکیں اور اب وہ دہلی میں اپنی بیوہ بیٹی کے ساتھ رہتی ہیں۔

مسز پوجا کہہ رہی تھیں کہ 1947ء میں جموں اور کٹھوعہ سے ایک زرینہ نہیں بلکہ سینکڑوں مسلمان لڑکیاں اغوا ہوئیں جنہیں بعد میں ہندو اور سکھ بنایا گیا' کچھ کو وہ جانتی بھی تھیں اور کچھ اگلے جہان کو سدھار چکیں لیکن انہوں نے صالحہ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ صالحہ کے خاندان نے پونچھ کے ایک نواحی گاؤں میں 1965ء کے آپریشن جبرالٹر کے دوران پاکستانی کمانڈوز کی میزبانی کی تھی۔ ان کمانڈوز نے گاؤں کی مسجد پر پاکستان کا جھنڈا لگایا اور

گاؤں والوں سے کہا کہ اب وہ واپس نہیں جائیں گے لیکن سیز فائر کے بعد کمانڈوز واپس چلے گئے۔ صالحہ کے باپ کو انڈین آرمی نے گرفتار کرلیا' چند دن کے بعد اس کی ماں کو گرفتار کر کے اس کے ہاتھ جلائے گئے کیونکہ ان ہاتھوں سے اس نے پاکستانیوں کے لئے روٹیاں پکائی تھیں اور جب صالحہ اپنی ماں کو دیکھنے آرمی کیمپ گئی تو اسے ایک حوالدار نے اغوا کر لیا۔ صالحہ کو گورداسپور لایا گیا اور زبردستی ہندو بنا کر حوالدار نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ حوالدار اسے دہلی لایا اور یہیں صالحہ کی ملاقات مسز پوجا سے ہوئی۔ خاتون بتا رہی تھیں کہ جب کبھی اذان کی آواز آتی تو صالحہ رونے لگتی اور پوچھتی کہ پاکستانیوں نے مسجد میں ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہم سے بے وفائی نہیں کریں گے پھر وہ ہمیں چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟ مسز پوجا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوتا۔ ایک دن صالحہ کے ہندو خاوند نے بیوی کو چھپ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور موقع پر ہی اسے قتل کر دیا۔ خاتون نے سرگوشی کے انداز میں کہا کہ اذان کی آواز سن کر مجھے بھی کچھ ہوتا ہے لیکن میں نماز بھول چکی ہوں البتہ کسی کو نماز پڑھتے دیکھ کر مجھے بڑا سکون ملتا ہے' اب میں اپنا وقت پورا کر چکی ہوں اس لئے تمہارے ساتھ یہ باتیں کرتے ہوئے مجھے خوف نہیں آرہا لیکن میں نے یہ باتیں اس لئے شروع کی ہیں کہ پاکستان کی وجہ سے میں تباہ ہوئی' پاکستان کی وجہ سے صالحہ تباہ ہوئی لیکن پھر بھی ہم پاکستان کا بھلا چاہتے ہیں اور تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ کبھی ہماری ہندو اولاد پر بھروسہ نہ کرنا' انہیں جب موقع ملا تمہیں کھا جائیں گے۔

گفتگو جاری رکھنے کے لئے میں نے کہا کہ اگر ہم نے بھروسہ نہ کیا تو دوستی نہیں ہوگی' دوستی نہیں ہوگی تو معاملہ خراب رہے گا' کیا آپ چاہتی ہیں کہ دشمنی قائم رہے؟ یہ سن کر خاتون غصے میں آگئیں اور کوسنے کے انداز میں کہنے لگیں کہ تم پاکستانیوں کی سمجھ نہیں آتی کہ تم کیا چاہتے ہو' دوستی چاہتے ہو یا دشمنی؟ تمہارے ملک میں ہندوستان کی نفرت میں بندوق اٹھانے والوں کو پکڑ لیا جاتا ہے' انتہا پسند کہا جاتا ہے اور ہندوستان سے دوستی کی بات کرنے والوں کو غدار کا خطاب ملتا ہے' یہ کیا پالیسی ہے؟ ذرا مجھے بھی تو سمجھاؤ؟ ایک عام سی خاتون نے بڑا مشکل سوال کر دیا تھا' مجھے پریشان دیکھ کر اس خاتون نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کپکپاتے ہونٹوں سے کہنے لگیں کہ میری بیٹی اس کافی شاپ کی منیجر ہے' شام کو وقت گزارنے کے لئے کبھی کبھی یہاں آتی ہوں اور کئی پاکستانیوں سے یہاں مل چکی ہوں' مجھے پریشانی اس بات کی ہے کہ تم پاکستانی یہاں جس دوستی اور محبت کو ڈھونڈنے آتے ہو وہ تمہیں مل تو سکتی ہے لیکن اس کی قیمت یہ ہے کہ کشمیر کو بھول جاؤ' غیرت کو چھوڑ دو لیکن بیٹا تم نے بے غیرتی کی تو اوپر والا تمہیں نہیں چھوڑے گا' تمہیں صالحہ کی آہ لگے گی۔ میں جنگ نہیں چاہتی' کشمیر کا مسئلہ تم امن سے حل کرو لیکن ہندوستان سے نظریں جھکا کر بات کرو گے تو وہ تمہاری گردن نہیں چھوڑے گا اس لئے نظریں اٹھا کر بات کرو اور کسی دھوکے میں نہ آنا۔

معمر خاتون پرنم آنکھوں کے ساتھ رخصت ہو

گئیں۔ اگلے دن میں نے بھارتی وزیر خارجہ یشونت سنہا سے ''جیو'' کے لئے انٹرویو لیا۔ موصوف نے فرمایا کہ کشمیر کوئی مسئلہ نہیں ہے' مسئلہ ہے تو آزاد کشمیر پر پاکستان کا قبضہ ایک مسئلہ ہے۔ انہوں نے کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ ان کے فرمودات کے جواب میں حکومت پاکستان نے لائن آف کنٹرول پر سیز فائر کا اعلان کر دیا۔ ہندوستان نے کہا کہ سیاچن پر بھی سیز فائر کرو' پاکستان نے سیاچن پر بھی سیز فائر کر دیا جس کے بعد یشونت سنہا فرماتے ہیں کہ مشرف' واجپائی ملاقات کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ ملاقات ضرور کیجئے لیکن کل کی زرینہ اور آج کی مسز پوجا کا مشورہ نہ بھولئے جس نے بار بار کہا کہ میری اولاد سے دھوکہ مت کھانا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا۔''

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی تنگ نظر قوم کے ہاتھ حکومت آ جائے تو وہاں رعایا کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔ حکومت کرنے کے لئے بڑی وسعت قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن رعایا میں سے بھی اس کا ایسا حشر ہوا کرتا ہے جو کمزور ہو۔ ہماری روزمرہ کی زندگی اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ جس فرد یا قوم نے جو چیز قوت کے ذریعے حاصل کی ہو وہ دلیلوں اور اپیلوں کی رو سے کبھی نہیں چھوڑتی۔ ان کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ عقاب جس پرندے کو اپنے پنجوں میں دبوچ لیتا ہے' چیخ و پکار سے اپنے شکار کو نہیں چھوڑتا۔ اس کا آخری علاج قوت کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ بدقسمتی سے کشمیر وحشی درندوں کے قبضہ میں ہے۔ یہ مسئلہ بھنور میں پھنسی ہوئی لکڑی کی طرح ایک ہی مقام پر گردش کر رہا ہے۔ پاکستان انتہائی صبر سے کام لے رہا ہے۔ لیکن ہندوؤں نے دہشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا۔ تیزی اور بیباکی سے کشمیریوں کا قتل عام شروع کر رکھا ہے۔ مظلوم کشمیر سے ان معصوم لڑکیوں اور عفت مآب عورتوں کی چیخیں بلند ہو رہی ہوتی ہیں' جنہیں یہ درندے اپنی ہوس بربریت کا شکار بنانے کے لئے انہیں طرح طرح کا عذاب دیتے ہیں تو یوں کہئے جیسے عرش الٰہی بھی ہل جاتا ہے۔

(مولانا) ابوالکلام آزاد جو آل انڈیا کانگریس کا صدر بھی رہ چکے ہیں اور وزیر تعلیم ہند بھی' ہندو ذہنیت سے متعلق فرماتے ہیں۔

''کفار کے عہد و پیمان کا تمہیں بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ وہ آبرو باختہ ہیں۔ عزت نفس و شرف کا انہیں لحاظ تک نہیں وہ قسمیں کھاتے ہیں۔ حلف اٹھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے اس میں دوام و استمرار ہے۔ یہ عہد محکم ہے۔ یہ قول و قرار قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ زبان سے سب کچھ کہتے ہیں۔ مگر ہاتھ سے کام لینے کے وقت کچھ یاد نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کے مطیع رہنا ذلت کی بات ہے۔ اسلام اپنے فرزندوں کو ان کی اطاعت سے باز رہنے کی ہدایت کر رہا ہے کہ خبردار یہ قسمیں کھانے والے ذلیل النفس ہیں۔ ان کے حلف پر نہ جانا یہ ادھر کی بات ادھر لگاتے ہیں۔ قوم میں تفرقے پیدا کرتے ہیں۔ منع خیر کے لئے نہایت مبالغہ کے ساتھ آمادہ رہتے ہیں۔ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ تعدی ان کا شیوہ ہے۔ تطاول ان کی عادت ہے...... کفار سے مسلمانوں کو ساز و باز نہ رکھنا چاہئے۔ ان سے بے تعلق

لازم ہے۔ جو ساز و باز رکھتے ہیں جنہیں ان سے بے تعلق رہنے میں اپنے اور قوم کے لئے مشکلات اور مصائب کا اندیشہ ہے وہ غلطی پر ہیں۔ ان کو پشیمان ہونا پڑے گا۔ اسلام کو فتح نصیب ہوگی اور مسلمانوں کی بہبود و بہتری کا قدرت کاملہ کوئی اور انتظام کرے گی۔'' (مضامین آزاد' حصہ سوم) (حوالہ ماہنامہ طلوع اسلام' نومبر 1994ء' صفحہ 58)' (الہلال مورخہ 27 اگست 1913ء' صفحہ 9)۔

اب دیکھئے کہ غدار مسلمانوں سے جنہوں نے ہندو کا ساتھ دیا ان کے ساتھ ہندو کا برتاؤ یہ رہا۔

عبداللہ شیخ نے کشمیر کنونشن 1970ء سری نگر میں منعقد ہوئی تھی کہا کہ:

''میں نے کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق پر رضامندی سے ایک بہت بڑی حماقت کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ حماقت اتنا بڑا جرم ہے جس کی پاداش میں میں ہر قسم کی سزا کا مستحق ہوں یہ حماقت اس لئے سرزد ہوئی کہ میں نے پنڈت نہرو پر اعتماد کر لیا تھا۔ میں نے انہیں اس درجے قابلِ اعتماد سمجھ لیا تھا کہ مجھے اس کا تصور تک نہیں آسکتا تھا کہ وہ اپنے مقدس وعدوں اور محکم قول و قرار سے یوں پھر جائیں گے۔ پنڈت نہرو' کشمیر کو اہلِ ہند کی کالونی بنانا چاہتے تھے' یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ان تمام وعدوں سے پھر گئے جو انہوں نے اقوام متحدہ کی حفاظتی کونسل سے کئے تھے۔ (اخبار کی رپورٹ میں لکھا تھا کہ) اس مقام پر شیخ عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور انہوں نے کہا کہ میری یہ حماقت ایسا سنگین جرم ہے کہ قوم کو حق پہنچتا ہے کہ اس کی سزا کے طور پر وہ مجھے ٹھکرا دے۔ میں انتہائی تاسف سے اس کا اعتراف کرتا ہوں۔ (طلوع اسلام۔ جنوری 1974ء صفحہ 37)۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ پاکستان کو ایسا ہمسایہ ملا ہے کہ اس کی دوستی پر اعتبار نہیں۔ اس میں نہ خلوص ہے کہ ایک شریف کا دل موہ لے اور نہ مردانگی کہ ایک بہادر سے بے ساختہ داد تحسین لے۔ اس ہمسائے کے منہ میں رام رام ہے لیکن بغل میں چھری ہے۔ پاکستان اور بھارت ان علاقوں پر مشتمل تھے جنہیں برطانوی ہند کہا جاتا تھا۔ برصغیر میں وہ حصہ جو راجوں مہاراجوں کی ریاستوں پر مشتمل تھا' ان میں شامل نہ تھا۔ یہ چھوٹی بڑی ریاستیں' جن کی تعداد چھ سو کے لگ بھگ تھی' برطانوی حاکمیت کے تحت تھیں۔ 15 اگست 1947ء کو یہ حاکمیت ختم ہوگئی تو سوال پیدا ہوا کہ ان کا کیا ہو۔ 25 جولائی کو برصغیر کے وائسرائے یہ مشورہ دے چکے تھے کہ ان کا مفاد اس میں ہے کہ وہ دونوں میں سے ایک ملک سے باقاعدہ الحاق کر لیں۔ بھارت نے اس قدمِ اول پر ہی فتنہ برپا کر دیا۔ اس نے اصرار کیا کہ جو ریاستیں اس کے ساتھ استقرارِ کار کا معاہدہ کریں وہ ساتھ فردِ الحاق بھی داخل کریں۔ اس کے ساتھ اس نے یہ مفسدانہ اور منافقانہ تجویز پیش کی کہ بعد میں بھارت متعلقہ ریاست کی حکومتوں کی نگرانی استصواب کرا لیا جائے گا۔ بھارت کی چال بالکل واضح تھی۔ وہ ریاستوں پر تو پہلے دن سے ہی قبضہ کر لینا چاہتا تھا لیکن دنیا کو دکھانے کے لئے بعد میں اہل ریاست سے اپنے دباؤ میں لا کر یہ کہلوا لینا چاہتا تھا کہ انہیں بھارت سے الحاق منظور ہے۔ پاکستان نے اس تجویز کو نہ قبول کیا اور نہ اپنے طور پر آزمایا۔ بھارت کے پاس انگریز

وائسرائے تھا اور انگریز کا ریاستوں میں بہت اثر دخل تھا۔ اس وائسرائے کی مدد سے بیشتر ریاستوں کو مجبور کر لیا گیا' البتہ تین ریاستیں ایسی رہ گئیں جن کا الحاق سنگین نزاع کا باعث بنا۔ یہ ریاستیں تھیں' جونا گڑھ' حیدر آباد اور کشمیر۔ بھارت کا رویہ معقول ہوتا تو کسی قسم کا تنازعہ برپا نہ ہوتا۔ پاکستان اس خوش فہمی میں رہا کہ معاملہ صلح وصفائی سے طے ہو جائے گا۔ تا آنکہ 6 ستمبر 1965ء کو بھارت اپنا سارا لشکر لے کر بغیر اعلانِ جنگ کئے اس کی سرحدوں میں گھس آیا۔

تقسیم ہند کے سلسلہ میں یہ اصول طے پایا تھا کہ جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں پاکستان کا حصہ قرار پائیں گے۔ یہ اصول ہندو اور انگریز دونوں نے تسلیم کیا تھا۔ یہ مرحلہ طے ہونے کے بعد' یہ ہندو اور انگریز کے گٹھ جوڑ سے' یہ چال چلی گئی کہ ملک اصولی طور پر تقسیم پہلے ہو اور حدود بندی بعد میں ہو اور اس حد بندی کا فیصلہ ثالثی یعنی (Arbitration) کی رو سے ہوا۔ اس بنیادی مسئلہ میں انگریزی ثالثی قبول کر لی گئی۔ ہندو نے انگریز سے ملی بھگت کر کے مسلمان کے خلاف بھرپور سازش کی۔ بھارت نے پہلا گورنر جنرل اپنے ہاں سے نہیں لیا بلکہ اس منصب کے لئے انگریز وائسرائے کو ترجیح دی۔

مملکت پاکستان بلاتعین حدود' وجود میں آ گئی۔ ہندوستان اور پاکستان کی حدود کے تعین کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا جس نے اپنے فیصلہ کا اعلان تقسیم ہند کے بعد کیا۔ اصول کے خلاف پنجاب اور بنگال کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ ان کے نہایت اہم وکلیدی رقبے ہندوستان کو دے دیئے گئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان نے جیتی ہوئی بازی ہار دی۔ ضلع گورداسپور مسلم اکثریت کا علاقہ تھا اور کسی کے وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ یہ ضلع پاکستان سے چھین کر ہندوستان کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ظلم کی انتہا کر دی گئی اور یہ ضلع ہندوستان کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اس ضلع کی اہمیت یہ تھی کہ اگر یہ ضلع پاکستان کے ساتھ ملایا جاتا تو کشمیر کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ یہی وہ ضلع ہے جس سے ہندوستان کو کشمیر کی طرف جانے کا راستہ ملا۔ صاف ظاہر ہے ہندو اور انگریز دونوں کے پیش نظر یہی تھا کہ اس علاقہ کو ہندوستان میں شامل کر کے کشمیر کا ناجائز قبضہ ہندوستان کو دیا جا سکے۔ اس سے یہ سارے مسائل پیدا ہو گئے جو مسلسل ہمارے لئے وجہ سوہان روح بن رہے ہیں۔ اور نا معلوم کب تک بنتے جائیں گے۔ اس فریب کا ذکر قائداعظمؒ نے اگست 1947ء میں لاہور کی تقریر میں کیا اور کہا:

''ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیسی کیسی بے انصافیاں اور زیادتیاں روا رکھی گئی ہیں۔ تقسیم کا کام ختم ہو چکا ہے اور ہمارے علاقہ کو جس قدر کم کیا جا سکتا تھا کر دیا گیا۔ باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ نہ صرف غیر مخلصانہ ہے بلکہ بدنیتی پر مبنی ہے۔ اسے قانونی فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سیاسی فیصلہ ہے۔ بہرحال اب فیصلہ ہو چکا ہے۔ ہم نے جو وعدے کئے ہیں انہیں ہم پورا کریں گے۔ ہم اپنے الفاظ پر قائم ہیں۔''

یہ سازشیں کیوں کی جا رہی تھیں' اس کی غمازی لارڈ ایٹلی (جو اس وقت میجر ایٹلی تھے اور برطانیہ کے وزیراعظم) کی تقریر کرتی ہے جو انہوں نے پارلیمان میں Independence Bill پیش کرتے وقت کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا:

''ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے۔ لیکن مجھے امید واثق ہے کہ یہ تقسیم زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکے گی اور یہ دونوں مملکتیں جنہیں ہم اس وقت الگ الگ کر رہے ہیں' ایک دن پھر آپس میں مل کر رہیں گی۔''

ہندو تہیہ کئے ہوئے تھا کہ انگریز گورنر جنرل کے تعاون سے پاکستان کو ختم کر دے گا۔ اس نے پاکستان کے حصہ میں آنے والے اس روپے کو بھی روک دیا جس سے نوزائیدہ مملکت نے سانس لینا تھا۔ نہ فوج تقسیم ہوئی نہ اسلحہ۔ انگریز وائسرائے نے اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر آزادی سے پہلے یہ کوشش کی کہ کشمیر کا مہاراجہ بھارت سے الحاق کر لے۔ کشمیر جغرافیائی' اقتصادی اور تمدنی نکتہ نگاہ سے بھی پاکستان کا حصہ ہے۔ کشمیر کی غالب اکثریت مسلمان ہے۔ لیکن ہندوستان نے کشمیر پر ڈاکہ ڈالا۔ دہلی اور لندن کی ملی بھگت نے مونٹ بیٹن اور ریڈ کلف کے ہاتھوں مشرقی پنجاب کے مسلم علاقے بھی ہندوستان کو دلوائے تھے اور یوں ہندوستان اور کشمیر کا براہ راست زمینی رابطہ پیدا کر دیا گیا۔ اور پاکستان کا حق غصب کر کے بھارت کو راستہ دیا گیا۔ تقسیم سے پہلے ہندوستان فوجیں کشمیر میں جمع کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ اہل کشمیر نے ڈوگرہ مظالم سے تنگ آ کر آخری مرتبہ جنگ آزادی کی طرح ڈالی تو مہاراجہ نے اپنا اقتدار جاتا ہوا دیکھ کر ہندوستان سے مدد مانگی۔ کشمیر کا مہاراجہ نے عوام کو کچلتے ہوئے ہندوستان سے الحاق کا اعلان کیا بلکہ اس کے لئے باقاعدہ جنگ مول لی۔ مہاراجہ کا الحاق قانونی طور پر ناجائز اور اخلاقی طور پر بے جواز تھا۔ لیکن بایں ہمہ انگریز وائسرائے نے نہ صرف الحاق منظور کیا بلکہ انگریز کے زور پر بھارتی فوجیں بھجوائی گئیں اور پاکستانی فوجوں کا کشمیر میں داخلہ روکا گیا۔ قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل اپنے انگریز کمانڈر کو حکم دیا کہ کشمیر میں فوج بھیج دیں لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور قائداعظم بے بس رہ گئے۔

جونا گڑھ کے نواب نے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا تو ہندوستان نے اسے اس بناء پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ عوام کا جمہوری فیصلہ نہیں بلکہ نواب کا ذاتی فیصلہ ہے۔ کشمیر کے مہاراجہ نے عوام کے جذبات سے کھیلتے ہوئے ہندوستان سے الحاق کا اعلان کیا تو ہندوستان نے نہ محض اعلان کو منظور کیا بلکہ مدد کے لئے فوجیں بھجوا دیں۔ حیدر آباد کے نظام نے الحاق کے خلاف فیصلہ کیا تو تسلیم نہیں ہوا۔ نظام نے استصواب کی تجویز پیش کی تو وہ مسترد کر دی۔

ہندوستان نے یکم جنوری 1948ء کو مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش کیا اس شکایت کے ساتھ کہ کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہو چکا ہے اور وہ ہندوستان کا حصہ بن چکا ہے اور پاکستان نے اس کی حدود کو توڑ کر جنگ طرح ڈالی ہے اور حفاظتی کونسل کو مناسب اقدامات سے ان کا تدارک کرنا چاہئے۔ پاکستان نے اس کے جواب میں اپنا موقف پیش کیا اور بتایا کہ اس جارحانہ اقدام کا ذمہ دار ہندوستان ہے نہ کہ پاکستان۔ حفاظتی کونسل نے کشمیر کمیشن کے واسطے جنگ بندی کرا دی اور فیصلہ کیا کہ اہل کشمیر استصواب عامہ کے ذریعے یہ طے کریں کہ انہیں پاکستان سے الحاق منظور ہے یا ہندوستان سے۔ التوائے جنگ کا مرحلہ جنوری 1949ء کو طے ہو گیا تھا لیکن دوسرے مرحلے کی عملی صورت آج تک متنازع چلی آ رہی ہے

حالانکہ حفاظتی کونسل کی تمام تجاویز کو ہندوستان نے تسلیم کر رکھا ہے۔ پاکستان یا بھارت کے ساتھ الحاق کے سوا کوئی اور تجویز نہیں۔ ان تجاویز کی حیثیت بین الاقوامی معاہدوں کی ہے۔ اس کے باوجود بھارت اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹیں ڈال رہا ہے۔ ناانصافی کی انتہا ہے کہ ہر جگہ فیصلے کمزور اور طاقتور کو دیکھ کر کئے جاتے ہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کا قطعی اور عادلانہ حل دنیا کے سامنے موجود ہے جس کی توثیق UNO کر چکی ہے۔ وہ حل ہے اہل کشمیر کا حق خود ارادیت اور اس کی بنیاد پر استصواب رائے۔ اس حل کے علاوہ کوئی اور حل نہ حکومت پاکستان کو قبول ہے اور نہ ہی کشمیر کے عوام کو۔ اگر اپنی مصلحتوں ضد اور ہٹ کی بنا پر اس استصواب رائے کے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے سے ہندوستان کی ٹال مٹول کر کے گریز کی راہیں اختیار کر رہا ہے تو اس صورت میں یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس متفق علیہ طے شدہ دو ٹوک حل کو چھوڑ کر کوئی متبادل حل تلاش کیا جائے۔ اس مسئلہ کے لئے مزید نئے حل کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ ہمیں غیر مبہم الفاظ میں واضح کرنا چاہئے کہ ہندو کا یہ کہنا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے کھلا ہوا جھوٹ اور خلاف حقیقت پروپیگنڈہ ہے۔ انہوں نے خود اس کا اعتراف اور اعلان کر رکھا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ فیصلہ طلب ہے۔ اور یہ فیصلہ اہل کشمیر کی آراء کے مطابق ہوگا۔ ہندوستان اپنے اقرار سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ یہی بھارت اور پاکستان کے درمیان تمام اختلاف کی اصل بنیاد ہے۔ جب تک بھارت اہل کشمیر کو اپنے متعلق آپ فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیتا تو ہماری ہندوستان کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی۔ ہم بھارت سے بات چیت بھی کرنا چاہتے ہیں تو صرف اس مسئلہ پر کہ کشمیر میں استصواب رائے کا طریق کیا ہونا چاہئے۔

یہ امر واقع ہے جس سے ہمیں انکار نہیں کہ وادیٔ کشمیر کے ایک حصہ پر بھارت کا قبضہ ہے۔ لیکن یہ قبضہ جائز نہیں۔ حق اور انصاف کے مطابق نہیں۔ وقتی کمزوری اور بےبسی کی بنا پر ظلم وستم برداشت کرنا جرم نہیں لیکن ظلم وستم کو مبنی برحق تسلیم کرنا ایسا جرم ہے کہ جس کے نتائج وعواقب سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ کسی ایسی مملکت کو جو UNO کی قراردادوں کا احترام نہیں کرتا، اقوام متحدہ کی رکنیت کا حامل ہو سکتا ہے؟

بہرحال ہمارا یہ موقف اصولی نوعیت کا ہے۔ ہم عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ اس لئے ہمارا یہ اختلاف فکری حد تک ہے۔ لیکن یہاں ایسے عناصر موجود ہیں جو عوام کے جذبات کو مشتعل کر کے ملک میں ہنگامے برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم اس قسم کی اشتعال انگیزیوں اور ہنگامہ خیزیوں سے شروع سے خلاف چلے آ رہے ہیں اور اب بھی شدت سے ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہمیں نہ ہندو سے بھلائی کی توقع کرنی چاہئے نہ انگریز سے۔ نہ امریکا سے، نہ روس سے۔ فریق مخالف کے ساتھ تعلقات معاہدہ کی رو سے قائم ہو سکتے ہیں لیکن اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ جو لوگ اخلاقی اقدار کو کوئی وقعت نہیں دیتے، ان کے نزدیک معاہدہ کو بھی کوئی وقعت نہیں۔ سولن کے الفاظ میں معاہدہ مکڑی کا جالا ہوتا ہے جو اپنے سے کمزور کو بڑی آسانی سے پھانس لیتا ہے۔ اس لئے ہمارے اندر اتنی قوت ہونی چاہئے کہ فریق مخالف معاہدہ شکنی کی جرأت

نہ کر سکے۔

بھارت کے عزائم کے تدارک کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ ہم اپنی قوم کو مسلسل اور متواتر بتاتے رہیں کہ ہندو کیا ہے؟ اس کے عزائم کیا ہیں؟ وہ کس طرح ہمارے مٹانے کے لئے درپے ہیں۔ بھارت کے ساتھ عندالضرورت مذاکرات کیجئے لیکن قوم کے دل سے اس حقیقت کو ایک ثانیہ کے لئے بھی اوجھل ہونے نہ دیجئے کہ ہندو ہمارا بدترین ازلی دشمن ہے اور اس حقیقت کو عام کرنے کے لئے قوم کو تمام ذرائع و ابلاغ کو کام میں لایئے ہماری پالیسی یہ نہیں ہونی چاہئے کہ ہندو کے خلاف نفرت کے جذبات کو نہ پھیلایا جائے کیونکہ اس سے ہمارے تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے۔ یہ غلط پالیسی ہے۔ ہندو کے ساتھ ہم دوستانہ تعلقات کی لاکھ کوشش کریں، ہندو ہمارا دوست کبھی نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں اس خوش فہمی میں کبھی مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ایک صداقت ہے جسے ہماری خوش فہمیاں کبھی جھٹلا نہیں سکیں گی۔

ہم ''نوائے وقت'' کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اخبار نے اپنی پوری تائید کے ساتھ علامہ غلام احمد پرویزؒ کے تاریخی مقالے ''ہندو کیا ہے؟'' کو عام کرنے کے لئے قسط وار اشاعت کا سلسلہ کا آغاز کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اشاعت کا سلسلہ وقتاً فوقتاً جاری رہے گا۔

ہندوستان، پاکستان کے ساتھ گفتگوئے مصالحت اور باہمی مذاکرات کے لئے معاہدۂ شملہ کا حوالہ دیتا ہے اور کبھی معاہدہ دہلی کا۔ لیکن مصالحت کے طرف ایک قدم نہیں بڑھنے پاتا۔ ہندو کو خطرہ ہے کہ پاکستان میں کہیں قرآنی اصول واقدار ایک مملکت کی شکل میں، عملی پیکر اختیار نہ کرلیں۔ اگر مسلمانوں کا معاشرہ ان خطوط پر متشکل ہو گیا تو اس کے انسانیت ساز نتائج کو دیکھ کر، ساری دنیا ان کی طرف کشاں کشاں آ جائے گی۔ ہندوستان میں ہندو لکشمی دیوی (دولت) کی پجاری، انتہائی سرمایہ پرست قوم ہے۔ ورنوں کے عقیدہ کی رو سے انہوں نے انسانوں کو اس طرح طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے کہ برہمن زادہ، پیدائش کے ساتھ ہی دنیا بھر کی عظمت واحترام کا مالک قرار پا جاتا ہے اور شودروں کی حالت غلاموں سے بھی بدتر ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم ان کی نگاہ میں ہے کہ دنیا میں کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم یا محتاج بنائے۔ احترام آدمیت ہر انسانی بچہ کا یکساں حق ہے۔ اگر ان خطوط پر ایک معاشرہ قائم ہو جائے اور بھارت ماتا کی کچلی ہوئی انسانیت نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے، تو اس سے وہ انقلاب آ سکتا ہے جو ان کے بالائی طبقہ کا سب کچھ بھسم کر کے رکھ دے۔ اگر یہاں فی الوقعہ قرآنی معاسرہ قائم ہو جاتا تو اس کے درخشندہ نتائج کو دیکھ کر وہاں کی پسی ہوئی انسانیت جھکڑ بن کر اٹھتی۔

ہندو نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کی الگ مملکت قائم ہی نہ ہو اور جب وہ اس میں ناکام رہ گیا تو اس سازش میں مصروف ہو گیا کہ یہاں قرانی نظام قائم نہ ہونے پائے۔ اس میں وہ ابھی تک کامیاب ہے۔ اس نتیجہ میں مملکت پاکستان کا آدھا حصہ تو ہتھیا کے لے ہی گیا ہے۔ باقی آدھے کے درپے تخریب ہے۔ ہماری بدنصیبی کی بھی کوئی حد نہیں۔ پاکستان نظری طور پر اسلامی مملکت ضرور ہے لیکن عملاً ابھی تک اسلامی مملکت نہیں بنا۔ جس کا نتیجہ

یہ ہے کہ ہم ان خوشگواریوں اور سرفرازیوں سے محروم ہیں ہمارے دکھوں کا علاج یہ ہے کہ یہاں قرآنی نظام قائم ہو جائے۔ یہی تمام مسائل کا حل ہے۔ اگر ہم نے قرآنی نظام کو پاکستان میں رائج کر لیا' تو اس سے نہ صرف ہماری مشکلات ہی کا حل مل جائے گا بلکہ ساری دنیا کو اس جہنم سے نجات مل جائے گی جس میں وہ آج بری طرح سے گرفتار ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا احساس ہم سے پہلے مغرب کے مفکرین کے دلوں میں بیدار ہو رہا ہے۔ (دیکھئے عصر حاضر کے نامور مورخ پروفیسر A.J.Toyrbee کی کتاب "The World and The West" صفحہ 31-30) اور اگر ہم یہاں قرآنی نظام قائم کرنے میں ناکام رہ گئے تو پھر یہاں مسلمانوں کی وہی حالت ہو جائے گی جو ہندوستان اور اب بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی ہے۔ یہاں وہ اسلام باقی رہ سکے گا جس کی اجازت اور آزادی ہندو دے گا۔ یعنی سیکولر نظام کے اندر والا اسلام' محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) والا اسلام باقی نہیں رہے گا۔

ہندوستان سے معاہدہ کرنے سے پہلے اپنے اندر وہ طاقت پیدا کرنی چاہئے جو استوار عہد کی ضامن بن سکے۔ ہمیں اپنی حکومت پر پوری طرح اعتماد و بھروسہ رکھنا چاہئے۔ جس پر ملک کے تحفظ اور نگہبانی کی ذمہ داری ہے۔ جو معلومات حکومت کو حاصل ہیں وہ عوام کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ حکومت کے فیصلے اپنی معلومات کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔ حکومت کے کتنے راز ایسے ہوتے ہیں جو جنگ کے دوران عوام کو بتائے نہیں جا سکتے۔ اس لئے دشواری یہ بھی ہوتی ہے کہ فیصلوں کا اعلان کرتے وقت یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ ان فیصلوں کی بنیاد کیا ہے۔ قوم کا حکومت پر اعتماد اور بھروسہ بہرحال ضروری ہے۔

ہم ملک کے سنجیدہ طبقہ کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ وہ اس مسئلہ پر جذبات سے الگ ہو کر غور کریں۔ یہ مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔ اس وقت ہم تاریخ کے ایک نازک ترین موڑ پر کھڑے ہیں۔ ایسے ہی نازک موڑ پر جیسے ہم تحریک پاکستان کے آغاز میں کھڑے تھے۔ اس لئے اس سوال پر یونہی رواروی میں نظر نہ ڈالیں۔ عصر حاضر کے اندازِ جمہوریت کی رو سے رائے دہندگان کا میدان سمٹ کر زیادہ تر ان نمائندوں تک محدود ہو جاتا ہے جو کسی منصب کے لئے سامنے آتے ہیں۔ سوچیں کہ کس کے ملک محفوظ رہ سکتا ہے۔ آج تک تو صدر محترم موصوف اور ان کے اصحاب کی ہمت نے ملک پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ اس وقت پاکستان کا وقار' سابقہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حکومت کوئی بھی برسر اقتدار ہو (بجز قرآنی حکومت کے) اس کے خلاف شکایات ضرور ہوں گی۔ ملک میں نظم و نسق کی خرابیاں برداشت کی جا سکتی ہیں۔ ان کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ اگر ملک باقی رہے گا تو خرابیاں دور کرنے کے لئے جدوجہد کی جا سکتی ہے۔ اگر (خدانکردہ) ملک ہی باقی نہ رہا تو پھر قوم کا کیا بنے گا؟ کشتی کو ان لوگوں کے حوالے کس طرح کیا جا سکتا ہے جو اس کے پیندے چھید کرنے کے لئے تلے بیٹھے ہوں؟

ذٰلک بانھم کرھوا ما انزل اللّٰہ فاحبط اعمالھم (۹/۴۷)

یہ ذلت خواری اس لئے ہے کہ یہ لوگ خدا کی کتاب کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا سب کیا کرایا رائیگاں جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک احمد سرور

معراج انسانیت

سرور عالم، خاتم النبیین، رحمت للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاکؐ پر زیر تبصرہ کتاب ''معراج انسانیت'' محترم پرویز مرحوم کی تالیف ہے۔ علمائے پاکستان کے نزدیک پرویز مرحوم ایک متنازعہ ترین مفسر قرآن اور عالم دین ہیں۔ علماء کا ایک طبقہ تو انہیں عالم دین ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان کا کہنا ہے کہ وہ یہودیوں کے آلۂ کار تھے۔ ''مقام حدیث'' کے حوالے سے ان کے نقطۂ نظر/خیالات کے باعث علماء کی بڑی تعداد انہیں منکر حدیث، مرتد اور کافر تک سمجھتی ہے۔ بعض قرآنی آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بھی انہوں نے دیگر مفسرینِ قرآن سے بالکل مختلف تعبیر پیش کی ہے۔ کسی موضوع سے متعلق کسی فرد کی تعبیر اور نقطۂ نظر سے اختلاف کرنا ہر فرد کا حق ہے مگر کفر وارتداد ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ ہے اسی لئے شاید کسی مستند عالم دین نے ان پر ارتداد اور کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ دور حاضر کے مقبول ترین مفسر قرآن حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے حدیث اور کئی دیگر امور سے متعلق پرویز مرحوم کے نقطۂ نظر پر شدید ترین تنقید کرتے ہوئے اسے غلط قرار دیا ہے مگر وہ بھی مرحوم کو کسی بھی درجہ میں مرتد یا کافر نہیں سمجھتے تھے۔ مقام حدیث اور کئی دیگر اسلامی امور کے بارے میں پرویز مرحوم کے نقطۂ نظر پر بڑی تعداد میں تنقیدی کتب بازار میں دستیاب ہیں جو اصحاب اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں وہ بازار سے یہ کتب خرید کر مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں صرف ان کی کتاب ''معراج انسانیت'' کو زیر تبصرہ لایا جارہا ہے۔

سخت ترین ناقدین بھی پرویز مرحوم کی اعلیٰ علمی وقلمی صلاحیتوں کے معترف ہیں اور اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اپنی بات، موقف اور نقطۂ نظر کو بہترین زبان اور مستحکم دلائل کے ساتھ پیش کرنے میں شاید ہی کوئی ان کا ثانی ہو۔ زیر تبصرہ کتاب ''معراج انسانیت'' میں ان کی تمام علمی، تحقیقی اور قلمی صلاحیتیں اپنے جوبن پر نظر آتی ہیں۔ کسی پیراگراف میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی پہلو پر ان کا قلم چنبیلی وگلاب کے پھول بکھیرتا دکھائی دیتا ہے تو کسی دوسرے پیراگراف میں باطل نظریات کے بخئیے ادھیڑتا نظر آتا ہے اور کہیں حق کے باغیوں کو دلائل ومنطق کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ لیتا ہے۔ اندازِ بیان اس قدر واضح اور اثر انگیز ہے کہ قاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی پیکر کو اپنے ذہن وقلب میں ہی نہیں نظروں کے سامنے محسوس کرتا ہے اور کتاب کے آخر میں پہنچ کر قاری کا دل تڑپ اٹھتا ہے کہ کاش اس نورانی پیکر کی قیادت میں مجھے اپنی جان و مال قربان کرنے کا موقع ملا ہوتا، کاش

مجھے بھی اس عظیم ترین ہستی کے پاؤں میں بیٹھنے اور خدمت کرنے کے چند لمحے میسر آئے ہوتے مگر کتاب کے گزشتہ ابواب اسے یاد دلاتے ہیں کہ تعلیمات رسولؐ پر عمل کر کے یہ سعادتیں تم آج بھی حاصل کر سکتے ہو۔

کتاب پڑھتے ہوئے قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ تاریخ کے سمندر میں کسی بحری جہاز پر کسی حق گو مؤرخ کا ہم سفر ہے۔ جہاز کے ایک طرف شیطانی افکار کے جنگلات ہیں اور دوسری طرف اسلام اور داعی اسلام ﷺ کی سیرت کے دلکش باغات۔ مؤرخ اپنے ہم سفر کو شیطانی جنگلات اور سیرت رسولؐ کے باغات دونوں کی سیر کراتا ہے اور پھر اسے سمجھاتا ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ صرف سیرت محمدیؐ کے باغات میں سے گزرتا ہے اور جنگلات کے راستے جہنم کے راستے ہیں۔ بلاشبہ سیرت رسول ﷺ پر منفرد انداز میں لکھی ہوئی ایک ولولہ انگیز کتاب ہے جو قدم قدم پر (سطر سطر پر) قاری کو سوچنے اور اپنے افکار و اعمال اور عقائد و نظریات کا جائزہ لینے پر مجبور کرتی ہے۔ قرآن مجید سیرت محمد ﷺ یعنی اسوۂ حسنہ کو کس انداز سے پیش کرتا ہے یہ جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

مقامِ حدیث کے حوالے سے کتاب کے شروع اور آخر میں مختصراً اپنا نقطۂ نظر بھی انہوں نے پیش کیا ہے جس سے کئی قارئین کو اختلاف ہوگا مگر بحیثیت مجموعی کتاب اختلافی امور سے پاک ہے اور اس میں فرامین رسولؐ جگہ جگہ پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سیرتِ رسول پاکؐ یا اسلامی تاریخ کو کتب احادیث سے مدد لئے بغیر مکمل کیا جا سکے' مؤلف خود اعتراف کرتا ہے:

''قرآن نے اس انقلابِ عظیم کی تاریخ کو اپنی لوحِ محفوظ میں منقوش کر رکھا ہے تاکہ آنے والی نسلیں جب کبھی اپنے نظامِ زندگی کو صحیح خطوط پر متشکل کرنا چاہیں تو یہ تاریخی یادداشتیں (ذکر للعلمین) ان کے لئے چراغ راہ بن سکیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ 23 برس پر پھیلے ہوئے اس انقلابِ انسانیت کی تمام تفاصیل و جزئیات قرآن کے اندر نہیں مل سکیں گی کہ قرآن کا انداز یہی ہے کہ وہ اصولوں سے بیشتر اور جزئیات سے قلیل تر بحث کرتا ہے۔ اس لئے ان جزئیات کے لئے انسانوں کی جمع کردہ و ترتیب دادہ تاریخی یادداشتوں سے بھی استفادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ بظاہر ہر چیز بڑی آسان سی نظر آتی ہے اس لئے کہ ہمارے ہاں کتب سیر و روایات میں سیرت طیبہ کے متعلق بڑا ذخیرہ موجود ہے لیکن ایک قرآنی سیرت نگار کے لئے یہ مرحلہ سب سے زیادہ دشوار گزار ہے اور یہ دشواری ہے قرآن اور حدیث کی صحیح حیثیت کا تعین''۔

اپنی کتاب کے حوالے سے مؤلف کا کہنا ہے: ''معراج انسانیت میں آپ کے سامنے حضور رسالت مآب ﷺ کا وہی پیکرِ حسن و خوبی آئے گا جسے قرآن نے ایک جیتے جاگتے' چلتے پھرتے' ایمان و عمل کے بلند ترین مقام پر فائز انسان کی سیرت کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور جو ہر اس قوم کے لئے جو دنیا میں اس قسم کا خوشگوار انقلاب پیدا کرنا چاہے جسے نبی اکرمؐ

نے متشکل کر کے دکھایا تھا، بہترین نصب العین بن سکتا ہے۔ اس سیرت طیبہ اور حیات نیرہ میں کوئی پیچ وخم راہ نہیں، کوئی راز مستور نہیں، کوئی سرّ پسِ پردہ نہیں، ایک جگمگاتے ہوئے چراغ کی روشنی ہے (سراجاً منیراً) جو ایک طرف خود چراغ کے ہر پہلو کو، دیدۂ بینا کے سامنے بے نقاب کر دیتی ہے اور دوسری طرف ہر شے کا اصلی مقام بھی متعین کر دیتی ہے، لیکن مسلمانوں نے جس طرح قرآن جیسے نیرِ درخشندہ کو انسانی تصورات و تخیلات کے بادلوں میں چھپا رکھا ہے اور اس طرح اس کی روشنی اور حرارت سے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ ساری دنیا کو محروم کر رکھا ہے اسی طرح انہوں نے سیرتِ محمدیہؐ کے جگمگاتے چراغ کو بھی اپنے توہمات اور معتقدات کے دبیز پردوں میں مستور کر رکھا ہے۔ آج ساری دنیا اس روشنی کے لئے مضطرب و بے قرار پھر رہی ہے۔''

مؤلف کا مزید کہنا ہے: ''ان واقعات کو خود قرآن نے اپنے دامن میں اس لئے محفوظ کر لیا کہ تاریخ اس پر شاہد تھی کی جہاں انبیائے سابقہ کی پیش کردہ تعلیم، کائناتی حوادث یا انسانی دست برد کی نذر ہو گئی وہاں ان حضرات کی سیرت بھی اس قدر مسخ کر دی گئی کہ وہ آنے والوں کے لئے اسوۂ حسنہ بننے کے بجائے، الٹی ضلالت وغوایت کا موجب بن گئی۔ اسی خدشہ کے پیش نظر قرآن کریم نے حضورؐ کی سیرت طیبہ کے تمام اہم گوشوں کو خود اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح خدا کی تعلیم ہمارے پاس حرفاً حرفاً اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اسی طرح خدا کے رسولؐ کی سیرت مقدسہ کے اصولی گوشے نقشاً نقشاً اپنے حقیقی رنگ میں ہمارے لئے وجۂ تابانی قلب ونظر ہیں............ اب صورت یہ ہے کہ قرآن کریم میں حضور نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ کے اجمالی گوشے ہیں اور کتب سیر و روایات میں تفصیلی واقعات مذکور ہیں۔ جو کچھ قرآن میں ہے اس کے کسی ایک حرف کے غلط یا محرف ہونے کا امکان نہیں لیکن جو کچھ کتب سیر و روایات میں ہے اس میں صحیح کے ساتھ غلط اور اصلی کے ساتھ وضع کی بھی آمیزش ہو گئی ہے لہٰذا ذات رسالت مآب ﷺ کی سیرت نگاری کے سلسلہ میں راہ صواب یہی ہے کہ جو کچھ قرآن کریم میں ہے اسے اصل عنوان قرار دیا جائے اور کتب سیر و روایات سے صرف انہی واقعات کو لیا جائے جو اس اصل کی تائید کرتے ہوں۔''

یہ خوش آئند بات ہے کہ مؤلف اپنی تعبیر اور نقطۂ نظر کو دوسروں پر ٹھونستا نہیں ہے بلکہ کہتا ہے: ''اب پھر اس کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنے فہم قرآن کے متعلق کبھی یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا کہ وہ سہو وخطا سے منزہ ہے۔ یہ قرآن فہمی کی ایک انسانی کوشش ہے اور ہر انسانی کوشش کی طرح اس میں غلطیوں کا امکان ہے۔''

پرویز مرحوم کے افکار سے اختلاف اپنی جگہ مگر سیرت رسول پاک ﷺ کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہو گا۔ ویسے بھی ہمارے پیارے رسول پاک ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرو۔ کسی عیسائی مفکر کی کتاب کے مطالعہ سے آپ عیسائی نہیں ہو جاتے اس لئے پرویز کی کسی کتاب کے مطالعہ سے ضروری نہیں ہے

کہ آپ ''پرویزی'' بن جائیں۔ مجھے یاد ہے کہ آج سے 29 سال قبل جماعت اسلامی پاکستان کے ایک رکن نے مجھے کہا تھا کہ پرویز کی کتب ''معراج انسانیت اور شاہکار رسالت'' کا ضرور مطالعہ کریں مگر میں نے ان کی یہ تجویز یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ میں کسی منکر حدیث کی کوئی کتاب پڑھنا پسند نہیں کرتا۔ آج یہ کتاب برائے تبصرہ موصول ہوئی اور جو پڑھی تو معلوم ہو گیا کہ جماعت اسلامی کے رکن کا مشورہ صحیح تھا اور اس کتاب کے مطالعہ سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ذہن میں مزید روشن ہو گیا کہ حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں سے بھی ملے حاصل کرو۔

کتاب ہذا میں سیرت رسول پاکؐ کے علاوہ قدیم تہذیبوں مثلاً تہذیبِ مصر، کالڈیا کی تہذیب، اشوری تہذیب، تہذیب یونان، ہندوستان کی تہذیب اور رومتہ الکبریٰ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ نبی کریمؐ سے پہلے عرب کی جو حالت تھی اس کا بھی تفصیلی تذکرہ ہے۔ نبی کریمؐ اور اسلامی تہذیب وتمدن کے بارے میں غیر مسلم مشاہیر کی کتابوں سے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ کتاب میں جگہ جگہ فارسی زبان میں اشعار ہیں مگر ان کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی اس زمانے میں تو ہر اردو پڑھنے والا فارسی زبان سے بھی آگاہ ہوتا تھا مگر اب صورتحال وہ نہیں رہی اس لئے ضروری ہے کہ ان فارسی اشعار کا ترجمہ بھی ساتھ دیا جائے۔ کتاب کی کتابت، پرنٹنگ اور بائنڈنگ نہایت معیاری ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ، بابت مارچ 2004ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقطۂ نظر

غلام باری، مانچسٹر، یو۔کے۔

مہلت کی قدر کریں

افراد کی طرح اقوام میں بھی خدا کا قانونِ مکافاتِ کارفرما رہتا ہے، جس کی رو سے صحیح روش پر چلنے والی قوم کو عروج اور ترقی حاصل ہوتی ہے، غلط روش پر گامزن قوم زوال و ہلاکت کے گڑھوں میں گرجاتی ہے۔ ہرعمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ محسوس طور پر اسی وقت سامنے نہیں آجاتا۔ عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس طور پر سامنے آنے کے وقفہ کو مہلت کی مدت کہا جاتا ہے اگر اس دوران میں فرد یا قوم غلط روش چھوڑ کر قوانین خداوندی کا اتباع شروع کردے تو اس کے سابقہ غلط اعمال کے تخریبی نتائج مٹ جاتے ہیں، اور انہیں سامانِ حفاظت مل جاتا ہے، اسے توبہ یا مغفرت کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ خدا کے قانون مکافات کی رو سے غلط روش پر چلنے والی قوم کی گرفت فوری نہیں ہوجاتی خدا مہلت دیتا ہے، اور مہلت کا مل جانا خدا کا فضل ہے تاکہ یہ اس میں اپنی اصلاح کرلے۔ قرآن میں غور وفکر سے عجب بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ہم پاکستانیوں کی مماثلت قوم بنی اسرائیل سے پائی جاتی ہے، وہ مصر سے ہجرت کرکے سینا کی وادی میں آئے تھے، ہم بھی ہندوستان سے ہجرت کرکے پاکستان سے آئے، یہودی علماء نے خود وضع کردہ عقیدہ ''وحی غیر متلو'' کی رو سے روایات جمع کر کے اسے تورات کا درجہ دے دیا، ہمارے علماء مشائخ نے ''وحی خفی'' کے عقیدہ سے جھوٹی سچی روایات کو قرآن کریم پر قاضی ٹھہرا دیا۔ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں، ہم نے بھی اپنے بداعمال اور مصنوعی نسبت سے نبی کریم ﷺ کے مقدس نام اور اسلام کو ساری دنیا میں بدنام کیا ہوا ہے، یہود کو اپنی غلط روش کی وجہ سے 1878 سال ذلت آمیز زندگی بسر کرنے کے بعد غیروں کی پشت پناہی سے دوبارہ اپنا ملک ملا۔ سورۃ الحج میں مذکورہ ہلاکت انگیز تباہی و بربادی میں گرفتار اقوام کی طرح ہمارے دریاؤں کا پانی بھی ناکافی ہوتا جا رہا ہے، اوپر سے بارش بھی کم ہوتی ہے، اور آہستہ آہستہ کنویں بھی بےکار ہوتے چلے جارہے ہیں، معاشرہ میں روز بروز ناہمواریاں اور برائیاں بھی ترقی کرتی جارہی ہیں، ہمارا ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے۔ 1947ء والے مقام پر دوبارہ آنے کے لئے بہت سی صدیاں درکار ہوں گی، اللہ نے اپنے کرم سے ہمیں پاکستان کا خطہ زمین، لا الہٰ الا اللہ کی صداقت کا زندہ و محسوس اور عملی ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے قرآنی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کے لئے عطا کیا تھا (مگر افسوس کہ) 57 سال کے لمبے عرصہ کی مہلت ملنے کے باوجود ہم اپنا عہد پورا نہ کرسکے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لندن، بابت 12 فروری 1989ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وارثانِ منبر ومحراب کی خدمت میں

مرحوم آغا شورش کاشمیری نے 7 جون 1971ء کو ایک اداریہ تحریر فرمایا تھا جس کا عنوان تھا۔''وارثانِ منبر ومحراب کی خدمت میں' شرعی صورتوں سے زیادہ اس وقت شرعی سیرتوں کی ضرورت ہے!''اس اداریہ کو مؤقر جریدہ چٹان نے اپنی اشاعت بابت 23 اپریل 1979 میں' دوبارہ چھاپا۔ اسے اس جریدہ کے شکریہ کے ساتھ قارئینِ طلوع اسلام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحبان' آغا شورش مرحوم کو اپنے مخالفین کی صف میں بہر حال شمار نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ہمیں امید ہے کہ ان کی زبان سے یہ حقائق پڑھ کر ہی ان حضرات کو ناگوار نہیں گزرے گی۔

ابھی پچھلے دنوں لاہور میں دو تین سیرت کانفرسیں ہوئی ہیں۔ ان میں بعض قابلِ احترام اور جید و متبحر علماء شریک ہوئے۔ سب نے اپنے موضوع پر نہایت مرصع تقریریں کیں۔ ان کانفرنسوں میں ہم نے تین باتیں پائیں۔

پہلی بات' شرکاء اجلاس (سامعین) کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام کے موروثی پیروکار ہیں اور وہ تذکرۂ سیرت کی ان محفلوں کو ثواب دارین پر محمول کرتے ہیں لیکن اسلام کا معاشرہ سے مطالبہ کیا ہے اس سے قطعاً ناواقف ہیں۔

دوسری بات' اکثر تقریریں وعظ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا عصرِ حاضر اور اسلام یا دعوتِ رسالت اور عصری سیاست کے مسائل سے کوئی تعلق نہ تھا۔ عام خیال یہ ہے اور ہے بھی بڑی حد تک قرینِ صداقت کہ ہمارے یہ علماء ''قرآن ہر زمانے کے مطابق بولتا ہے'' کی سچائی سے قطعاً بے بہرہ ہیں۔ یہ علماء سے کہیں بڑھ کر اسلام کے داستان گو ہیں۔ ان کا بلکہ کسی بھی روایتی عالم دین کا مسلمانوں پر کوئی اجتماعی اثر نہیں ہے۔

تیسری بات' کرخندار سیاستدانوں کے نزدیک چٹان کا واحد جرم یہ ہے کہ وہ اسلام کا نام لیتا اور اس کا غلبہ چاہتا ہے۔ لیکن شخصی احترام کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان علماء کی ننانوے فیصد اکثریت ایسی ہے کہ ہمارے دل میں ان کے لئے دینی احترام مفقود ہے۔۔۔ ہم اسلام سے براہِ راست آگاہ نہ ہوتے تو ان بزرگوں کا وجود ہی اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ نئی نسلیں اسلام سے کٹ رہی ہیں۔ اس کی وجہ خود ہمارے علماء

(وارثانِ منبر ومحراب) کا وجود ہے۔ یہ کس سنتِ نبویؐ کی تلقین کرتے ہیں؟ جس پر خود عمل نہیں کرتے! شرعی صورتیں بنانا ہی تو اسلام نہیں' شرعی سیرتیں بنانا بھی اسلام ہے اور حقیقی اسلام! لیکن یہ اسلام کتنوں میں ہے؟ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیوند لگے ہوئے کپڑوں کا ذکر کرتے ہوئے حیاء نہیں آتی! جو وضع وقطع کے لحاظ سے دولہا بن کر پچیس سے پچاس ہزار کے موٹر پر سوار ہو کر محفلِ وعظ میں آتا' فاقۂ رسالتؐ کی حکایت چھیڑتا اور ریشم وحریر پہنتا ہے۔ وہ لوگ اخلاقِ نبویؐ کا سبق کیا دے سکتے ہیں جن کی زبان شریعت ترجمان خرافات سے لدی پھندی ہوتی ہے؟ وہ نسلیں کیونکر ان سے مطمئن ہو سکتی ہیں جنہیں نانِ جویں تک میسر نہیں لیکن جنہیں معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ستّو اور کھجور کا ذکر کرنے والے پورا مرغ ہضم کر جاتے ہیں اور جن کے دسترخوانوں پر کئی کئی کھانے ہوتے ہیں۔ ہم کسی فردِ واحد کسی متعین جماعت یا کسی شخصی کردار کو سامنے رکھ کر یہ بحث نہیں کر رہے اور نہ یہ مقصودِ بحث ہی ہے ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں ایک اجتماعی سرشت اور ایک خاص ذہنیت سے متعلق لکھ رہے ہیں۔

مسجدوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ لوگ جس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اس پر منفی تبصرے کرتے' خطبہ لمبا ہو جائے تو پھر مذاق اڑاتے ہیں حتیٰ کہ عیدین میں جس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اس کے خطبے یا دعاؤں کی نوعیت پر ایں وآں کے چھینٹے اڑاتے ہیں۔ ہم پچھلے دنوں دو تین دوستوں کے جنازہ میں شریک ہوئے تو جنازہ کی نماز میں امام سے متعلق بعض لوگوں کو کسلمند پایا۔ انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ امام نماز جنازہ سے متعلق لوگوں کو بتائے۔ بس جلدی کرو تا کہ ہم جائیں۔ وہ نسل جو پچھلے دس پندرہ برس میں جوان ہوئی ہے اس کی ایک خاصی تعداد متنفر ہے۔ ایک بڑی تعداد بیزار ہے اور ایک غالب تعداد ہے کہ تاریخِ اسلام میں ان بزرگوں کا وجود (ان کے نزدیک) گورکن سے زیادہ کوئی مرتبہ یا معنی نہیں رکھتا!

حقیقت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے مذہب کا احترام ختم ہو گیا اور اب مذہب کا احترام نہ ہونے کے باعث ان کا احترام باقی نہیں رہا۔ دکانیں رہ گئی ہیں مال نہیں رہا' جسم رہ گیا ہے' روح نہیں رہا' ہم وہ لوگ ہیں جو محکمات (متشابہات) پر ایمان رکھتے ہیں۔ متشابہات کیا ہیں؟ خدا کی ذات وصفات ملائکہ کا وجود ونبوت' مرنے کے بعد زندگی' عذاب وثواب' دنیا کی ابتداء پیدائش (کن فیکون) اور عالم آخرت کے احوال وواردات وغیرہ۔ لیکن جن وارثانِ منبر ومحراب کا ہم نے مشاہدہ وتجربہ کیا ہے ان میں دو چار گنے چنے اکابر کو چھوڑ کر باقی جمِ غفیر عالمِ غیب (غیر محسوسات) ایک طرف رہا عالمِ شہادت (محسوسات) کا یقین بھی نہیں دلا سکتا۔

ایک مسلمان کا سفرِ زندگی اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ موت' حیاتِ اُخروی کی ابتدا ہے۔ ہم ایسوں کی واحد آس حضورؐ سرورِ کائنات کی رحمۃ اللعالمینی ہے۔ ہمارا شرف یہ ہے کہ ہم ان کی امت میں ہیں' ہمارے پاس ورثہ انبیاء نہیں' نہ ہم رسولؐ کے وارث ہیں' نہ ہم نے تفسیر وسیرت

کی دوکان لگائی ہے ہم کسی مدرسہ کے شیخ الحدیث نہیں، نہ ہماری زندگی تقویٰ وعلم کا سراپا ہے ؎

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہہ

لیکن ہم جانشینانِ مسندِ رسالتؐ اور منبر ومحراب سے نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اسلام نئے فلسفوں کی کربلا میں نواسۂ رسولؐ کی طرح کلمہ گوؤں کی شقاوت کا شکار ہے۔نئی نسل کی دینی حسیات معریٰ ہوگئی ہیں اوراس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آخرت کا خوف باقی نہیں رہا۔اور آخرت کا تصور ہی ایک ایسی چیز ہے جو اخلاق پیدا کرتا ہے۔جن قوموں میں اخلاق نہیں وہ آتشِ دوزخ کی طرح تپتی اور چراغِ گورغریباں کی طرح بجھ جاتی ہیں۔

یہ اداریہ ایڈیٹر کے قلم سے ہے جو کچھ لکھا سوچ سمجھ کر لکھا اور انشراحِ صدر کے ساتھ لکھا۔حقیقت یہ ہے کہ دوسال میں علماء کے زہد وورع کو ان کے قول وقرار اور تقویٰ وعلم کو ان کے زبان وبیان کی ترازو میں تولا تو عقیدت کا برائے نام پر تو بھی ختم ہوگیا۔

ہم اپنے اس لازوال یقین کا اعادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ علماء کی موجودہ کھیپ کا نوے فیصد عصر نئی نسلوں کو اسلام کی دعوت دینے کا اہل ہی نہیں۔

ایڈیٹر چٹان تو ان کے قرب پر جہنم کی آگ کو ترجیح دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے بچائے۔

☆☆☆

طلوع اسلام

آغا شورش مرحوم نے یہ کچھ 1971ء میں کہا تھا۔اگر وہ آج زندہ ہوتے تو:

؎ کیا جانئے کیا کہتے۔کیا دیکھتے۔کیا کرتے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبدالرب صاحب

زندگی کا لنگر

انسانی زندگی کی مثال کشتی کی سی ہے۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں بطخ کی مانند سیدھی تیرے گی۔ پانی میں سکون نہ ہوتو ہوا کے جھونکے اور موجوں کے تھپیڑے جدھر چاہیں اسے لے جائیں گے۔ لنگر کے بغیر کشتی کو قرار نہیں۔

کچھ ایسی ہی کیفیت انسان کی ہے۔ اسے آزاد چھوڑ دو تو کوئی بتا نہیں سکتا کہ وہ کدھر جائے گا اور کہاں ٹھہرے گا۔ مکھی کی مانند نہ اس کی کوئی خاص سمت ہوگی نہ جائے قرار۔ کاغذ کے پرزے کی طرح ہوا کا ہر جھونکا اسے اڑائے پھرے گا۔

لیکن زندگی کی ہوا فضائے آسمانی کی بجائے سینوں میں چلتی ہے اور آندھی کی طرح دل و دماغ کو لپیٹ میں لئے انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے۔ وہ خون پسینہ ایک کرتا رہتا ہے مگر بکھرے ہوئے دانوں کو سمیٹ نہیں سکتا۔ "ان سعیکم لشتیٰ" (۴/ ۹۲) اس کی زندگی میں لنگر نہیں ہے۔

انسان کی دن رات کی ساتھن اور رہنما عقل ہے لیکن عقل کو انفرادی نفع کمانے اور اپنے فائدوں کی جستجو سے کب فرصت ہے۔ لنگر ڈھونڈے تو کون؟

جس نے جان دی تھی آخر اسی نے بتایا کہ انسانی زندگی کا لنگر ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یعنی اللہ کے دیئے ہوئے ہمیشہ رہنے والے زندگی کے وہ بنیادی اصول جنہیں اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم میں لکھوا کر امت کو سونپا اور جن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے۔

قرآنی اصولوں میں سے ایک اصول ''انسان کا جائز حق اس کی محنت کا بدلہ ہے''۔ یہ اصول ہوا زندگی کے لنگر کی ایک شاخ۔ لنگر کی ایک اور شاخ ہے ''تکریمِ انسانیت'' "ولقد کرمنا بنی آدم" (۱۷/ ۷۰) ہم نے ہر انسان کو واجب التکریم بنایا ہے یعنی تکریم میں انسانوں میں تمیز نہیں کی جا سکتی۔ ہر انسان' انسان ہونے کی حیثیت سے قابلِ عزت ہے۔ کالا ہو یا گورا۔ امیر ہو یا غریب۔ مٹی میں لت پت مزدور ہو یا صاف ستھرا پیشہ ور۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں ہو یا قیمتی لباس میں۔ نحیف و نزار ہو یا تنومند۔ ہم مذہب ہو یا غیر مذہب والا۔ غرض ہاتھ۔ پیر۔ آنکھ۔ کان۔ ناک والا ہر انسان عزت کے سلوک کا مستحق ہے۔ سامنے آئے ہوئے ہر انسان کو سلام کرنا طبیعت پر بار ہو سکتا ہے لیکن یہ ہچکچاہٹ (جو بہر حال ہے تکریم کے خلاف) کوشش سے دور کی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہوگی تو تکریم کے ساتھ دوسروں کو ذلیل سمجھنے کا جذبہ بھی دل میں جگہ پائے گا اور زندگی دورخی ہو جائے گی۔ جس سے ہمارا کام ہوا اس کی عزت کی اور جس کا ہم سے کام ہوا اسے دھتکار دیا۔ خود بھی لرزا گئے اور دوسروں کو بھی ہراساں کیا۔

تکریم' انسان کو باہمت اور حوصلہ مند بناتی ہے۔ کرنے والے کو بھی اور عزت پانے والے کو بھی۔ ہمت اور حوصلہ وہ چیز ہے جو جیتے جی انسان کو بلند رکھتی ہے اور جو موت

کے بعد اس کی ذات کو زندگی کے اگلے مرحلے طے کرنے کے قابل بنا دیتی ہے۔یعنی جنتی زندگی کا وارث۔تکریم سے دنیا کی زندگی بھی جنتی بن سکتی ہے بہ شرطیکہ تکریم کو انسانی برادری کی تعمیر کی بنیاد بنایا جائے۔''ربنا آتنا فی الدنیا حسنتہ و فی الآخرۃ حسنہ'' (۲/۲۰۱) مگر یہ تحسین آرزو پیدائشی مسلمان کے منہ سے اسی وقت بھلی لگے گی جب وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا عہد پکا کرے۔اور اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے ہر وقت اس کا دھیان رکھے۔یعنی اپنے ہر فیصلہ اور ہر کام میں پہلے یہ دیکھے کہ وہ قرآن کریم کی کسی ہدایت سے تو نہیں ٹکراتا۔ قرآن کریم نے اس عہد کو اللہ کا عہد کہا ہے اور اسے پورا کرنے کی ہدایت کی ہے ''بعہداللّٰہ اوفوا'' (۶/۱۵۳) اس عہد کو توڑنے والے فاسق اور ٹوٹا (نقصان) پانے والے ہیں (۲/۲۷) پیدائشی مسلمانوں کی موجودہ پستی وہ نقصان ہے جو عہد اللہ کے توڑنے کی پاداش میں ان کے حصہ میں آیا ہے۔

تکریم کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ عزت کے سلوک کے ساتھ ساتھ تکریم کرنے والا واضح طور پر یہ بھی سمجھے کہ جس طرح وہ اپنی مرضی آزادانہ استعمال کرنا چاہتا ہے اسی طرح وہ دوسروں کو بھی اپنی مرضی آزادانہ استعمال کرنے سے نہ روکے اور اپنی مرضی کو ان پر ہرگز نہ ٹھونسے۔دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مرضی جس کسی کی بھی ہو وہ قرآنِ کریم کی مقرر کردہ حدوں سے نہ بڑھے۔

تکریم کے سلسلے میں اتنی بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ انسان کی بنیاد ہی تکریم کے بعد معاشرہ میں مختلف افراد کی عزت، ان کے اعمال اور کردار کی رو سے متعین ہوگی اور سب سے زیادہ عزت کا مستحق وہ ہوگا جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کا پابند ہوگا۔

سجدہ جو شکر ہی کا بشر کر نہیں سکے
پیدا دعا میں کوئی اثر کر نہیں سکے

صد حیف طائفینِ حرم بھی یہ دین کی
لمبی سیاہ شب کو سحر کر نہیں سکے

اِس کی کہ اپنی ذات میں خود سر نہیں ہیں ہم
خود رفتگی میں خود کو خبر کر نہیں سکے

لاشے کفن میں، جامۂ احرام کے یہ لوگ
دل کو پھر اپنے کیوں ترا گھر کر نہیں سکے

منزل پہ کیا پہنچتے کسی کارواں کے ساتھ
تیار ہی جو رختِ سفر کر نہیں سکے

آگاہ کر سکیں انھیں جذبوں سے فضلؔ ہم
چاہا خلوص سے تھا مگر کر نہیں سکے

فضل کریم فضلؔ ناٹنگھم، انگلینڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ

اساسِ پاکستان خطرے میں

اَلْاَسَاس کے معنی ہیں عمارت کی بنیاد جہاں سے تعمیر شروع ہوتی ہے۔ ابنِ فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ ثابت اور قائم رہنا (لغات القرآن، ص 227)۔ ظاہر ہے جتنی بنیاد پختہ ہوگی اتنی ہی عمارت مضبوط اور پائیدار ہوگی۔ اگر اسے کسی نظریہ یا نظام کے لئے استعمال کیا جائے تو بھی بات وہی ہے۔ جس قدر کوئی نظریہ ثابت اور قائم ہوگا اسی قدر اس پر مبنی نظام دیرپا اور یقینی ہوگا۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں مملکت پاکستان کی اساس ''دوقومی نظریہ'' ہے۔ جسے عام سوچ کے برعکس نہ تو تحریک پاکستان کے دوران وضع کیا گیا اور نہ ہی اسے حصولِ مملکت پاکستان کے لئے سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا، نہ ہی یہ نظریہ ہماری ہنگامی یا سیاسی مصلحتوں کی پیداوار ہے۔ یہ قرآن کی پیش کردہ ابدی حقیقت ہے جسے اسلام کی غایت اور دین کی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن نے دوقومی نظریہ کو دین کے اصل الاصول کے طور پر سورہ التغابن کی آیت نمبر 2 میں محفوظ کر لیا ہے۔ فرمایا ''وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن 64/2''۔ گویا قرآن کی رو سے تفریق انسانیت کا یہی معیار ہے جس کے مطابق دنیا میں دو ہی قومیں بستی ہیں۔ مومن اور کافر یا مسلم اور غیر مسلم۔ خلفائے راشدینؓ کے دور تک قومیت کا یہی معیار رہا۔ لیکن جب دین مذہب میں بدل گیا تو پھر مسلمان نسل، قبیلہ اور وطن کی تفریق سے مختلف قوموں میں بٹ گئے۔ صدیوں تک ہماری یہی حالت رہی کہ ہم میں اقبالؒ جیسا مفکر پیدا ہوگیا۔ جس نے دین کی دیگر اساسات کی طرح یہ بھولا ہوا سبق بھی از سرِ نو یاد دلا دیا کہ امت محمدیہ کا نسلوں اور وطن کی تفریق سے مختلف قوموں میں بٹ جانا اسلام کی بنیادی حقیقت کے خلاف ہے۔ یہ پوری امت ایمان کے اشتراک کی بنیاد پر امت واحدہ ہے۔

اللہ اللہ اقبال کے دل و دماغ میں اتنا بڑا انقلاب کس کا اعجاز تھا۔ اس کا جواب بصیرتِ قرآنی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی عقل کا اندھا وطنی قومیت کا شکار ہو کر مذکورہ آیت کے مفہوم کے متعلق کسی شک شبہ کا شکار ہو تو اسے اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مطہرہ کو سامنے رکھنا چاہئے۔ جب وحی کی تکمیل ہوگئی تو اس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ایک ایسی قوم کی تشکیل ہوئی جس نے ساری دنیا پر روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا کہ قومیت کا معیار کیا ہے؟ اس تشکیل کے مطابق حبش کا بلالؓ فارس کا سلمانؓ اور روم کا صہیبؓ محمدؐ عربی کی اپنی قوم کے افراد تھے اور مکہ کا ابوجہل اور حقیقی چچا ابولہب غیر قوم کے افراد۔ قومیت کی تقسیم کا عملی مظاہرہ بدر کے میدان میں ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ

لیا۔

حجتہ الوداع کے خطبہ میں اس نظریہ کی مزید وضاحت یوں فرمادی کہ ''عہد جاہلیہ کے تمام باطل نظریات میرے پاؤں تلے ہیں۔تم سب ایک امت ہوتمہارا رب ایک ہے اصل کے اعتبار سے تم سب ایک ہواس لئے کالے کوگورے پر گورے کوکالے پرعربی کو عجمی پر اور عجمی کوعربی پر کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے۔ خدا کے اس آخری رسول نے دوقومی نظریہ پر اس طرح عمل کر کے دکھایا کہ اس کا مفہوم سمجھنے میں نہ کسی قسم کا شبہ رہا نہ کوئی ابہام اور بات نکھر کر سامنے آ گئی۔

آ گے چلئے۔حضور سے قبل تمام انبیاء کرام نے بھی مبنی بروحی معیارقومیت کو نہ صرف نظری طور پر پیش کیا بلکہ زندگی میں اس پر عمل پیرا ہو کر بھی دکھایا۔سلسلہ وحی کا آغاز حضرت نوحؑ سے ہوتا ہے۔انہوں نے اس دعوت کو پیش کیا تو کچھ لوگ لبیک کہہ کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ باقی قوم نے اس نظریہ کی مخالفت کی۔اس طرح دوقومیں وجود میں آ گئیں اورنسل' زبان اور وطن کے اشتراک کے باوجود ایک قوم نہ رہی اور ان دوگروہوں میں نظریاتی اختلاف کی خلیج اتنی گہری اور نا قابل عبور ہوگئی کہ جب حضرت نوحؑ نے نسلی رشتہ کی بنیاد پر کہا کہ ان کا بیٹا ان کے اہل میں سے ہے۔تو خدا نے یہ کہہ کر ان کی غلط فہمی کو دور کر دیا کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ حضرت نوحؑ کے بعد بھی جن انبیاء کرام کا ذکر آیا ہے۔انہوں نے بھی دوقومی نظریہ پر سختی سے عمل کیا اور اس طرح ایک ہی وطن میں نسل' قبیلہ' زبان' رنگ اور خون کے اشتراک کے باوجود نظریہ کے اختلاف کی بنا پر دوقومیں وجود میں آتی رہیں۔حضرت ابراہیم کے والد نے جب ان کے نظریۂ حیات سے انکار کیا۔تو انہوں نے نہ صرف باپ بلکہ ساری قوم سے قطع تعلق کر لیا اور صاف کہہ دیا کہ میں تم سے ہر رشتے کا انکار اور بے زاری کا اعلان کرتا ہوں۔جوشخص میرے پیچھے چلتا ہے وہ کسی قبیلے کا فرد اور کسی وطن کا باشندہ ہو وہ میرے اپنوں میں سے ہے اور میرے اپنے جو کسی دوسری راہ پر چلتے ہیں وہ میرے لئے غیر ہیں۔یہی تھا وہ معیار جس کے مطابق حضرت نوح کی بیوی کے متعلق کہہ دیا کہ وہ تیرے اپنوں میں سے نہیں بلکہ غیروں سے تھی اس لئے اس کا حشر انہی کے ساتھ ہوا۔ ((66:10-11

برادرِ محترم!اس حقیقت سے ہر کوئی واقف ہے کہ حضورؐ نبی اکرم نے ایک متوازن معاشرہ کی مثال قائم کی تھی۔ان کے مشن کے مدعی اور سنت کے شیدائی موجودہ ناہمواریوں پر کیوں خاموش ہیں؟ اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں کہ یہ ساری صورتِ حال نظریۂ پاکستان کی مخالفت میں پیدا ہوئی جس کی کمانڈ مذہبی پیشوائیت خود کر رہی ہے۔اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ دوقومی نظریہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور وہ اس کی سند بھی پیش کرتا ہے تو پھر مولوی صاحبان کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ مولانا آزاد' مدنی اور مودودی اس سلسلہ میں کیا کہہ گئے ہیں۔اسلام میں افراد سند نہیں ہوتے۔اصل اہمیت قرآنی اصول واحکام اور اس کے مطابق سسٹم کی ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضورؐ اکرم نے وطن کے اشتراک سے عرب قوم کی تشکیل کی تھی؟ اس کا جواب ہم سب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی قوم کو انہیں کی نسبت سے امت محمدیہ یا قومِ رسولِ ہاشمی سے موسوم کیا گیا۔اسی طرح قرآن نے گذشتہ اقوام کوقوم نوح۔قوم ابراہیم۔قومِ لوط سے پکارا ہے۔آخر انہیں ان کے پیغمبروں کی نسبت دینے میں کیا مصلحت تھی۔ بات صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو اس قسم کی تنگ

آبناؤں میں محدود نہیں کرنا چاہتے تھے۔

بہرحال یہ ایک مثبت پہلو تھا لیکن آپ حیران ہوں گے کہ جب 1948ء میں قائداعظم وفات پا گئے اور ان کے بعد مملکتِ پاکستان کے لئے آئین مرتب کرنے کا مرحلہ پیش آیا تو دنیا یہ دیکھ کر محوِ حیرت رہ گئی کہ اس میں پہلی شق کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ یعنی پاکستان کی حدود میں بسنے والے تمام باشندوں مسلمان اور غیر مسلمانوں کو ایک قوم قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ چیز نہ صرف یہ کہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف تھی بلکہ اس دعوے کے بھی خلاف جس کی بنیاد پر ہم نے ایک الگ مملکت حاصل کی تھی۔ اس سے ہم نے وطنیت کو معیارِ قومیت قرار دے دیا اور اس طرح پاکستان کی وجۂ جواز کی خود ہی نفی کر دی بس یوں سمجھیں کہ دوقومی نظریہ کے لئے آئینی خطرات ہم نے خود ہی پیدا کر دیئے۔

علامہ اقبالؒ اور قائداعظم آج ہم میں موجود نہیں۔ متحدہ قومیت کے لئے میدان خالی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ پاکستان جسے احیائے اسلام کے لئے تجربہ گاہ بننا تھا وہاں دورِ ملوکیت کے سیکولر مذہب کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مقتدر حضرات ہوں یا سیاسی راہنما۔ ترقی پسند ادیب ہوں یا صحافی اس سلسلہ میں مصلحتاً یا نادانستہ طور پر ایک ہی رائے رکھتے ہیں کہ چودہ سو سال پرانا صدرِ اول کا اسلام اب ناممکن العمل ہو چکا ہے۔ علمائے کرام پہلے ہی اس سے خائف ہیں۔ بعض جدت پسند اور ایڈوانس قسم کے شاعر موجودہ اسلام سے الرجک ہو چکے ہیں اور جمہوریت کے ذریعہ عوام کی حاکمیت اعلیٰ بحال کر کے پاکستان کو ایک فلاحی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ افسوس اس بات کا کہ وہ اسے ایسے عمرانی معاہدے کا نام دے رہے ہیں جس پر چلنے کی راہیں بقول ان کے قائداعظم نے معین کی تھیں۔ خیر ان باتوں کا فیصلہ تو آنے والا مورخ ہی کرے گا۔

ہمارے ذمہ تو یہ بتانا مقصود ہے کہ دوقومی نظریہ اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ مملکت کا استحکام۔ سالمیت اور احیاء اسلام ہمارا دینی فریضہ ہے۔ جس میں ہم سرخرو نہیں ہو سکتے جب تک کہ:

(۱) ہمارے آئین میں یہ شق نہ رکھی جائے کہ مسلم اور غیر مسلم ایک قوم قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ نہ مملکت اسلامی ہو سکتی ہے نہ ہمارا آئین۔

(۲) ہمارے آئین میں یہ شق نہیں رکھی جاتی کہ مسلمانوں میں متعدد قومیتوں کا نظریہ اسلام کی ضد اور مملکت کے خلاف بغاوت کے مرادف ہے۔ نہ ملت واحد وجود میں آ سکتی ہے نہ پاکستان محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۳) (جب تک) دوقومی نظریہ ہمارے نصاب تعلیم میں داخل نہیں کیا جاتا۔ پاکستان کا مستقبل مستحکم نہیں رہ سکتا۔

(۴) ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جتنے بھی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ مذہبی۔ اخلاقی اور رسمی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ جب تک ہم اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسلام کو قرآن کے حوالہ سے ایک مکمل نظامِ ضابطۂ حیات کے طور پر پیش نہیں کریں گے اقبال اور قائداعظم کے یوم منانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اور آخر میں حکومت کے مقتدر حضرات اور اپوزیشن کے راہنماؤں کی خدمت میں گزارش ہے کہ:

یہ مملکت ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس لئے قومی نظریات کی حفاظت اور سرپرستی آپ کا اخلاقی اور اسلامی فریضہ ہے۔ اگر آپ کی مکمل مفاہمت سے اس سب کچھ پر عمل درآمد ہو جائے تو یہ تاریخی کارنامہ ساری امت مسلمہ کے لئے باعث صد افتخار اور رحمتوں کا پیش خیمہ ہوگا۔ رب العزت توفیق دے۔

حدیث کے پرکھنے کا معیار

(1) سنیوں کے نزدیک

مسند احمد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

تکثر لکم الا حادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوه علی کتاب اللّٰہ۔ فما وافقه فاقبلوه وما خالفه فردوه۔

میرے بعد تم سے بڑی کثرت سے حدیثیں بیان کی جائیں گی۔ لہٰذا میری کوئی حدیث تم سے روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ (قرآن) کے سامنے پیش کرو۔ پھر جو اس کے مطابق ہو اسے قبول کرو اور جو اس کے خلاف ہو اسے رد کردو۔

(2) شیعوں کے نزدیک

روی عنهم علیهم اسلام ما اتکم منا فاعرضوه علیٰ کتاب اللّٰه۔ فما وافق کتاب اللّٰه فخذوه وما خالفه فاطرحوه۔

(استبصار۔ جلد 3۔ صفحہ 158۔ بحوالہ ثقافت)

ائمہ سے مروی ہے کہ ہماری طرف سے تمہارے پاس جو کچھ بھی آئے اسے کتاب اللہ (قرآن) کے سامنے پیش کرو۔ پھر جو کچھ کتاب اللہ کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو کچھ اس کے خلاف ہو اسے پھینک دو۔

طلوع اسلام

احادیث کے پرکھنے کے لئے طلوع اسلام کا یہی نقطۂ نظر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

حقائق وعبر

1- کنفیڈریشن

''بھارت کے نائب وزیراعظم لعل کشن ایڈوانی نے کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کی علیحدہ علیحدہ مملکتیں بننے کے باوجود ان کے مسائل حل نہیں ہوئے اس لئے بہتر ہوگا کہ یہ دونوں ممالک اپنی اپنی خودمختاری کے اندر رہ کر کنفیڈریشن بنا لیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے حکمران بھی تسلیم کرتے ہیں کہ شری واجپائی ''مین آف دی پیس'' ہیں اس لئے ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں ملک کنفیڈریشن بنا لیں۔''

اس حقیقت سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا ہے کہ:

-- مسئلہ کشمیر کا منصفانہ اور قطعی حل دنیا کے سامنے موجود ہے؛

-- اس حل کو دونوں ممالک پاکستان اور ہندوستان بطیب خاطر قبول کر چکے ہیں؛

-- UNO اس حل پر کئی سال قبل سے مہرِ توثیق ثبت کر چکی ہے؛ اور

-- کشمیر کے عوام اور ان کی نمائندہ جماعتیں اس حل کے سوا اور کوئی حل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

وہ حل ہے:

اہل کشمیر کا حق خود ارادیت اور اس کی بنیاد پر استصواب رائے۔

کیا اس وقت ہندوستان اس طے شدہ حل سے روگردانی کر سکتا ہے؟ اس سے انکار ہندوستان کی ہٹ دھرمی نہیں؟ کیا ہندوستان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پاکستان کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ متبادل حل کے ذریعے اپنے ملک کی بنیاد کو ہی اکھیڑ دیں؟

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ طے شدہ حل کی موجودگی میں مزید نئے حل تلاش کرنے کی ضرورت کیا ہے جو پاکستان کی اساس اور اس کے جواز تک کو سبوتاج کر کے رکھ دے۔ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کئی مسائل ابھر سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ دونوں ملکوں میں دوستی کی فضا قائم کرنے کے لئے منفی اور تخریبی انداز فکر اختیار کیا جائے اور مملکت پاکستان کی بنیادوں کو ہی زیر وزبر کیا جائے۔ کنفیڈریشن کی صورت کیونکر پیدا کی جائے۔ یہ طرز فکر نہ صرف مملکت پاکستان سے غداری کے مترادف ہے بلکہ ہمارے

دین اور ایمان کے تقاضوں کے منافی بھی جن کی بجا آوری کے لئے ہم نے اپنی اس جداگانہ مملکت کے حصول و قیام کے لئے اپنی اس جداگانہ مملکت کے حصول و قیام کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس کے لئے سالہا سال تک جان توڑ جدوجہد کی اور بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ مملکت ایک جیتی جاگتی درخشندہ حقیقت بن کر نقشۂ عالم میں ابھر آئی۔ انشاء اللہ اب یہ حکومت اپنی آزادی اور استقلال کے شایانِ شان روایت کے ساتھ ہمیشہ زندہ وسلامت رہے گی۔ اور اسے وقت وحالات کے کسی بڑے سے بڑے تقاضے پر قربان کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

جو مملکتیں محض سیاسی مصالح کی بنا پر وجود میں آئی ہوں ان کے لئے کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا۔ جب سیاسی مصلحتوں کا تقاضا ہوتو وہ دوسری مملکتوں کے ساتھ کنفیڈریشن قائم کرلیں حتیٰ کہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسری مملکت کے میں مدغم بھی کردیں۔ لیکن مملکت پاکستان کا وجود اس حقیقت کا اعلان ہے کہ کفر واسلام، شرک اور توحید، باطل اور حق میں ادغام تو ایک طرف، کسی قسم کا اشتراک نہیں ہوسکتا۔ یہ مملکت اپنے آپ کو ہندوستان جیسی دوسری مملکت کے دامن کے ساتھ کیسے منسلک کرسکتی ہے جس سے وہ دین کی بنیادوں پر الگ ہوئی تھی؟ کنفیڈریشن تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مملکت پاکستان سیاسی وجوہ کی بنا پر وجود میں لائی گئی تھی۔ مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کی وجۂ جواز بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اب کنفیڈریشن کو تسلیم کرنے سے کل دوسرے مسئلہ کے حل کے لئے بار دگر ادغام کے لئے بھی تیار رہنا ہوگا۔ ایسی تجویز کو سامنے لانے سے پہلے شری ایڈوانی کو سوچ لینا چاہئے تھا کہ اس پر ملت اسلامیہ پاکستانیہ کا ردعمل کیا ہوگا؟

تاریخ کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوجائے گا کہ اس جنگ کا آغاز سرسید احمدؒ کے دور میں ہی ہو چکا تھا۔ اسی زمانے میں ہی ان کی عقابی نگاہیں یہ اندازہ لگا چکیں تھی کہ اپنے بنیادی نظریات و تصورات کے اعتبار سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی نفسیات ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہے کہ ان دونوں کا مل کر چلنا ممکن نہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اور یہاں کے نظام حکومت پر انگریز حکمرانوں کی گرفت کمزور پڑتی گئی ہندوؤں کے قلوب اور اذہان پر سے نقاب اٹھتے چلے گئے اور یہ حقیقت نکھرتی اور ابھرتی چلی گئی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی منزل مقصود ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے اور یہ قطعاً ممکن نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے شریک کار بن سکیں۔ پاکستان کا قیام اسی ناقابل انکار حقیقت کا جیتا جاگتا نشان ہے۔

2- آئینہ جمہوریت

حمید نظامی مرحوم کی یاد میں حمید نظامی ہال میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب کی صدارت سابق صدر رفیق تارڑ صاحب نے کی۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے ان (مرحوم نظامی صاحب) کی صحافت اور جدوجہد کو ملک سے وفاداری، جمہوریت کے استحکام اور حب الوطنی سے مشروط قرار دیا............مقررین نے تقریریں کیں۔ سابق صدر نے کہا کہ پاکستان اس وقت شدید بحران سے دوچار ہے۔ جرنیل حضرات نے ملک کی مقبول ترین قیادت میاں نواز شریف اور بے نظیر بھٹو ....کو............روکا ہوا ہے............مصیبتوں کی جڑ اور بنیادی وجہ جمہوریت کا نہ ہونا ہے............فوجی حکمران بھی تو قوم کے سامنے سرنڈر کرنا سیکھیں............۔

(روزنامہ نوائے وقت' 25 فروری 2004ء)

حقیقت یہ ہے کہ نظری اعتبار سے یہ کتنا خوش آئند کیوں نہ ہو عملاً جمہوری نظام کسی بھی صورت میں جمہوری نہیں ہوسکتا۔ آیئے آج ہم آپ کی خدمت میں جمہوریت کی ایک جھلک آئینہ میں پیش کررہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

پروفیسر کوبن نے کہا تھا کہ جمہوریت درحقیقت ایک نقاب ہوتا ہے۔ وہ ذرا سا بھی کھسک جائے تو اس کے پیچھے چھپی ہوئی آمریت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ آنجہانی مسز اندرا گاندھی بھارت کی وزیراعظم تھیں۔ یہ واقعہ 1975ء کا ہے۔ ان کے انتخاب کے خلاف عذرداری کے مقدمہ میں الٰہ آباد ہائی کورٹ کے ایک جج۔ جسٹس جگ موہن لال نے مسز اندرا گاندھی کے خلاف فیصلہ سنادیا۔ مسز گاندھی کو مجرم اور اس کے انتخاب کو کالعدم قرار دے دیا۔ مسز گاندھی نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کردی۔ اس وقت ملک میں ہنگامی حالات نافذ تھے۔ اس کا فائدہ لیتے ہوئے تمام خبروں پر سنسر بٹھایا گیا۔ پچاس ساٹھ ہزار کے قریب افراد پابندِ سلاسل کئے جاچکے تھے۔ ان میں ممتاز لیڈر بھی شامل تھے جو جنگ آزادی کے نامور ہیرو تھے۔ سب کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔ ہائی کورٹ کے جس جج نے وہ فیصلہ دیا تھا اسے قتل کردیا گیا (نوائے وقت' لاہور مورخہ 3 اگست 1975ء) اس کے باوجود مسز گاندھی کو اس کا احساس ہوا کہ یہ جج صاحبان شاید ان کے خلاف آزادانہ فیصلہ دے دیں۔ مقدمہ کی سماعت سے دو تین دن پہلے ایسا انتظام کروایا کہ سپریم کورٹ اس مقدمہ کی سماعت نہ کرسکے اور نہ ہی کوئی قانون اس پر لاگو ہوسکے جس سے وہ ایسے منصب پر برقرار نہ رہ سکے۔ پارلیمان کا ہنگامی اجلاس بلایا گیا اور اس میں مطلوب قوانین منظور کرالئے اور ان قوانین کو ہائی کورٹ سے پہلے کی تاریخوں میں نافذ العمل قرار دے دیا گیا۔ یہ نہ بڑی دھاندلی تھی نہ بے انصافی نہ لاقانونیت۔ نہ بدترین ڈکٹیٹرشپ نہ فرعونیت اور چنگیزیت۔ اس میں بتایئے کوئی خلاف ورزی ہے؟ یہ ہے وہ مغربی جمہوریت وہ آخری نظام جسے فکرِ انسانی وضع کرسکا ہے۔ جسے جنتِ ارضی کہا جاتا ہے۔ آپ کہیں گے اس کا کیا علاج؟ جواب ہے قرآنی سیاسی نظام کا نفاذ۔ قائداعظمؒ نے 14 فروری 1948ء کو سبی دربار میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

> ''میرے پیشِ نظر ہمیشہ اسلامی ڈیموکریسی کا اصول رہا ہے۔ ہماری نجات کا راز ان سنہرے اصولوں کے اتباع میں ہے جنہیں ہمارے مقننِ اعظم' حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں دیا۔ لٰہذا ہمیں اپنی ڈیموکریسی کی بنیاد حقیقی اسلامی نظریات واصولوں پر رکھنی چاہئے۔'' (تقریر گورنر جنرل' ص 56)۔

انہوں نے مزید کہا:

> ''ایسے نامساعد حالات میں بھی اگر ہم نے قرآن مجید سے بصیرت حاصل کی تو میں ایک بار پھر یہ کہتا ہوں کہ آخرالامر فتح ہماری ہی ہوگی۔'' (تقاریر گورنر جنرل' ص 30)۔

عصرِ حاضر کی جمہوریت کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ اکثریت کا فیصلہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے' اس کا اتباع کرنا چاہئے۔ قرآن کریم اس کے برعکس کہتا ہے کہ اگر تو انسانوں کی اکثریت کا اتباع کرے گا تو وہ تجھے خدا کی طرف لے جانے والے راستہ سے گمراہ کردے گی۔ یہ لوگ ظن وتخمین کا اتباع کرتے ہیں اور قیاسات پر چلتے ہیں

((6:117ان کے برعکس غلط اور صحیح، حق اور باطل کا معیار صرف خدا کی راہنمائی کا اتباع کرے گا تو وہ نہ صحیح راستے سے بھٹکے گا اور نہ ہی جگر پاش مشقتوں میں مبتلا ہو کر سعادتوں سے محروم رہ جائے گا ((20:123۔

3- مفاہمت۔دوقومی نظریہ

روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ یکم مارچ 2004ء میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی۔

> ''وزیراعظم میر ظفر اللہ خان جمالی نے کہا ہے کہ بھارت کے ساتھ مذاکرات میں پاکستان کا رویہ مثبت ہے اور دونوں ممالک کو باہمی تنازعات کے حل اور امن کے قیام کے لئے اپنے اپنے موقف کی قربانی دینا ہوگی۔ایک بھارتی میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے وزیراعظم جمالی نے کہا کہ دونوں حکومتوں کو اپنے دیرینہ تنازعات کے حل اور امن کے بڑے مقصد کے لئے اپنے اپنے موقف کی قربانی دینا ہوگی تاکہ بہتر تعلقات کا قیام یقینی بنایا جاسکے۔..................
> ایک سوال پر وزیراعظم نے کہا کہ آج جبکہ پاکستان اور ہندوستان علیحدہ علیحدہ ملک کا قیام عمل میں آ گیا ہے تو ہمارے لئے اپنا ملک اور نظریہ ہے جبکہ تمہارے لئے تمہارا ملک اور نظریہ ہے۔.................. ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ دوقومی نظریہ اب یک قومی نظریہ بن چکا ہے۔ دوقومی نظریہ پچاس سال پہلے کی بات ہے..................''۔

اسی اخبار مورخہ 2مارچ 2004ء میں:

> ''وزیراعظم ہاؤس کے ایک ترجمان نے دوقومی نظریئے کے بارے میں وزیراعظم میر ظفر اللہ کان جمالی سے منسوب بیان کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ وزیراعظم نے بھارتی ہفت روزہ فرنٹ لائن کو انٹرویو میں ایک قومی نظریہ پاکستان کے بطور ایک قوم کے تناظر میں پیش کیا تھا۔ترجمان نے کہا کہ وزیراعظم نے تحریک پاکستان کے دوقومی نظریئے کے تناظر میں بات نہیں کی تھی۔ترجمان نے کہا کہ بعض اخبارات نے وزیراعظم کے انٹرویو کو اس کے حقیقی انداز میں شائع کیا ہے۔''

محترم وزیراعظم صاحب کی خدمت میں ان کے غور کے لئے مندرجہ ذیل گذارشات پیش ہیں۔

(ا) مفاہمت۔مخالفین کا ایک ہتھکنڈہ ہوتا ہے کہ وہ جب دیکھتے ہیں کہ انہیں کامیابی کی کوئی امید نہیں تو وہ مفاہمت اور مصالحت (Compromise) کی کوشش کرتے ہیں۔اور حق کی دعوت دینے والوں سے کہتے ہیں کہ کچھ تم جھکو کچھ ہم جھکتے ہیں اور اس طرح باہمی صلح کر لیتے ہیں۔ UNO کا فیصلہ بھی ہمارے حق میں ہے اور ہمارا موقف بھی ایک ٹھوس اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔ حق پر قائم رہنا اور حق کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اور فریضۂ خداوندی۔اس سلسلہ میں حضورؐ سے کہا گیا:

> ولا ترکو کنوا الی الذین ظلموا۔ فتمسکم النارہ ((11:113۔
>
> ''دیکھنا تم ان کی طرف ذرا نہ جھکنا' اگر تم اپنے مقام

سے ذرا بھی ہٹ گئے تو اسی جہنم میں جا گرو گے جس میں یہ جانے والے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ حق اور باطل میں مفاہمت نہیں ہوسکتی۔ باطل اگر اپنے مقام سے ہٹ جائے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا لیکن اگر حق اپنے مقام سے ذرا بھی ادھر ادھر ہوجائے تو وہ حق رہتا ہی نہیں۔ حق کے تو بنیادی معانی ہی یہ ہیں کہ وہ اپنے مقام پر اٹل ہو۔ یہ کوئی ضد کی بات نہیں یہ حق کا فطری تقاضا ہے۔

اس تباہی سے بچانے والا صرف خدا کا قانون ہے۔ اس کے سوا ہمارا حامی و ناصر نہیں۔ اگر اس کا رشتہ ہاتھ سے ٹوٹ گیا تو پھر کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

(۲) دو قومی نظریہ۔ یہ نظریہ کوئی سیاسی نظریہ نہیں۔ یہ قرآنی نظریہ ہے۔ قرآنِ کریم کا ایک ایک لفظ مبنی بر حق و صداقت ہے۔ اس کے دیئے ہوئے اصول مستقل، محکم، غیر متبدل ہیں۔ اس میں کسی قسم کا حک و اضافہ اور تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ یہی ہر مسلم کا ایمان ہے۔

قرآن کریم کی رو سے دنیا میں قومیں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جو قرآنی ضابطۂ حیات کو صحیح مانتے ہیں اور دوسرے جو اس سے انکار کرتے ہیں اور کسی اور مسلک حیات کے قائل ہیں۔ "خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن"۔ اس نے تمہیں انسانی پیکر عطا کیا (جس کی خصوصیت کبریٰ یہ ہے کہ تمہیں اختیار و ارادہ کی استعداد حاصل ہے۔ انساں کی اس استعداد کا نتیجہ یہ ہے کہ تم میں سے بعض کافر (قوانینِ خداوندی کو تسلیم نہ کرنے والے) اور بعض مومن (ان قوانین کو ماننے والے) ہو جاتے ہیں۔ (القرآن، سورہ نمبر 64، تغابن۔ آیت نمبر 2)۔ قرآن کریم مسلمانوں کو امتِ محمدیہ کے افراد قرار دیتا ہے۔ یعنی انہیں غیر مسلموں سے الگ و متمیز قوم تسلیم کرتا ہے۔ اور مسلم اور غیر مسلموں کو دو الگ الگ فریق قرار دیتا ہے، جو ایک دوسرے کے مخالف ہی نہیں معاند ہیں۔ اسی کو دو قومی نظریہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی......

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا (الحجرات 13:49)

ابنِ مریم

(ابن مریمؑ پرویزؒ اور طاہر سورتیؒ)

از عصمت ابو سلیم

عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم کی کتاب

''ابن مریم اور پرویز''

کا قرآن حکیم اور عربی قواعد کی روشنی میں ناقدانہ جائزہ

112 صفحات تعارفی قیمت 20+6 روپے بک پوسٹ ☆ 7 کتابیں بذریعہ بک پوسٹ 150 روپے

سرسیدؒ میموریل لائبریری

کالج سٹاپ، جی ٹی روڈ، باغبانپورہ، لاہور ph:042-6854528

E.Mail:sirsyedmemlib@hotmail.com

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکر قرآن علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو ایک عاشق قرآن مجید نے آڈیو ACD اور ویڈیو VCD پر رات دن کی محنتِ شاقہ سے محفوظ کر دیا ہے۔ آڈیو۔ویڈیو درس قرآن میں جہاں آواز کی کوالٹی کو مزید بہتر بنایا گیا ہے وہاں شور اور ٹریفک وغیرہ کی فالتو آوازیں بھی حتیٰ الامکان نکال دی گئی ہیں۔

یہ CD's کمپیوٹر' DVD اور CD پلیئر پر دیکھی/سنی جا سکتی ہیں۔

قیمت =/20 کراؤن علاوہ ڈاک خرچ میں طلب کیجئے۔

بزم طلوع اسلام ڈنمارک

Phone: (0045) 28425684, Email: thequran@kabelnettet.dk

Or Tolu-e-Islam Trust, Email:trust@toluislam.com

شکریہ بسلسلہ عطیات سکول فنڈ

بزم طلوع اسلام ڈنمارک نے مندرجہ ذیل معطیان کی طرف سے سکول فنڈ کے لئے عطیات ارسال فرمائے ہیں۔

(1)	محترم ضرار احمد	4905.69روپے	(2)	محترمہ عظمیٰ خان	1912.55روپے
(3)	محترم شاہد حسین	4781.93روپے	(4)	محترم عظمت اللہ	5737.75روپے
(5)	محترم ضیاء اللہ وڑائچ	3060.30روپے	(6)	حاجی ایم۔ایس صاحب	1912.55روپے
(7)	محترم افتخار رسول	=/2870روپے			

اس گرانقدر تعاون کے لئے ہمارا دلی شکریہ قبول فرمایئے۔

جنرل سیکرٹری

قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی